ماهنامة

حیاتِ نو

بلریاگنج

بسم اللہ الرحمان الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد : ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ ستمبر ۱۹۹۷ء شمارہ : ۹

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

معاون مدیر

نفیس احمد فلاحی

بدل اشتراک

☆ سالانہ زر تعاون	: ۵۰/ روپے	☆ طلبہ کے لیے	: ۳۰/ روپے
☆ خصوصی زر تعاون	: ۱۰۰/ روپے	☆ اعزازی زر تعاون	: ۱۰۰۰/ روپے
☆ بیرون ملک سے	: ۲۵/ امریکی ڈالر	☆ قیمت فی شمارہ	: ۵/ روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہ نامہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج
اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱ — فون نمبر ۲۵۱۱۵

کاتب :- محمد اشفاق عالم فلاحی "جامعۃ الفلاح"

نقوش حیاتِ نو

		صفحہ
• اداریہ		
علم بغیر عمل	انیس احمد فلاحی	۳
• درس قرآن		
بخل اور اس کے اسباب	حافظ احسان الحق فلاحی	۶
• ہدایت کے چراغ		
حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کے لخت جگر عبدالملک کی زندگی کے چند درخشاں پہلو	ابو جلیس ندوی	۱۱
• مقالات		
احیاء امت اور اس کے مطالبات "قرآن و سنت کی روشنی میں"	عبدالعزیز سلفی	۲۱
کتاب نسب قریش ایک تعارف	ڈاکٹر احسان النص	۳۰
امام عبدالحمید بن بادیس اور تحریک جمعیۃ علماء المسلمین	سراج احمد فلاحی	۳۷
معرفت جرم قربانی	شاہد بدر فلاحی	۴۴
• شعر و نغمہ		
شب قدر، غزل، غزلیں	عزیز بگھروی، شفیع اللہ خاں نادر / ایاز بستوی، محمد ظفر اعظمی، نثار	۳۶ / ۴۵، ۲۹
• جامعہ کے لیل و نہار		
توسیعی لکچر، الوداعی تقریب، مہتمم تعلیم و تربیت کی علالت، شوریٰ کے اجلاس کا التواء، جیب کا حساب	ادارہ	۴۷

اداریہ

علم بغیر عمل

انیس احمد فلاحی، مدنی

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ علم دین کے حصول کا مقصد آج عمل اور رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کے مظاہر میں پیش رفت یا دنیاوی و مادی اغراض و مقاصد کی خاطر خواہ تعمیل و تکمیل اس کا ہدف بن گیا ہے۔

حیف کہ وہ علم جو تمام بھلائیوں کا سرچشمہ اور انسان کی معنوی اور روحانی تسکین کا یکہ و تنہا ذریعہ تھا آج وہ مادی حوائج کی قربان گاہ پہ بھینٹ چڑھایا جارہا ہے یعنی جو متاع قلب و روح تھی وہ پرورش بدن کے کام پہ لگادی گئی اس لئے جب بھی تقاضائے پرورش بدن ہوا اس علم کو تحقیق کا نیا آئینہ دکھایا گیا اور معاشی اغراض سے ہم آہنگ و ہم خورنگ بنانے کی کوشش کی گئی اور یہ حدیث رسول ﷺ سامنے نہ رکھی گئی۔

"من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرض الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ" (جامع بیان العلم وفضلہ)

جس شخص نے اس علم کو جو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے (یعنی علم دین) دنیا کے حقیر فائدے کے لئے حاصل کیا وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو سے بے بہرہ ہوگا۔

ایسا اس لئے ہے کہ اس دنیا میں بھی ایک عارضی جنت ہے اور وہ ذات باری کا عرفان، اس سے قلبی تعلق و لگاؤ اور اس کی ملاقات کی آرزو و تمنا اور اس کی اطاعت و خوف اور علم نافع اس جنت تک پہونچانے کا ذریعہ ہے تو جس شخص کے علم نے اسے اس جنت تک پہونچایا وہی آخرت میں بھی حقیقی جنت کا وارث ہوگا اور جو شخص یہاں اس عارضی جنت کی خوشبوؤں سے بے بہرہ رہا وہ وہاں بھی اس کی خوشبوؤں سے محروم رہے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر طالب علم اپنا جائزہ لے کہ کہیں اس کا مقصد دنیاوی ڈگریاں تو نہیں کیوں کہ اس صورت میں اسے عمل کی توفیق نہیں مل سکتی اور جس کو عمل کی توفیق نہ ملے وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا بلکہ روز محشر وہ شدید تر عذاب کا انتظار کرے "ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ" قیامت کے دن ایسا عالم شدید ترین عذاب سے دوچار ہوگا جس کو اللہ رب العزت اس کے علم کے ذریعہ اسے فائدہ نہ پہونچائیں۔

عالم دین کو معصیت و گناہ پر اصرار کی صورت میں دوسروں کے بالمقابل شدید ترین عذاب درج ذیل اسباب کی بنا پر دیا جائے گا۔

۱۔ اس نے سب کچھ جاننے کے باوجود خدا کی معصیت کی ہے چنانچہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں معرفت کے بعد اس کے جحود و انکار کی وجہ سے ہی رکھے جائیں گے

۲۔ نقمت بقدر نعمت کے اصول تحت اسے شدید ترین عذاب دیا جائے گا کیوں کہ یہ سنت خداوندی ہے کہ جس شخص پر خدا کی رحمتوں اور لطافتوں کی بارش جتنی زیادہ ہوگی وہ ناشکری کی صورت میں اتنے ہی شدید تر عذاب سے دوچار کیا جاتا ہے جیسا کہ امہات المومنین کو ان کے شرف و فضل کی بنا پر معصیت پر دوہرے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

۳۔ دنیا کی اکثریت چونکہ دلائل کی زبان نہیں بلکہ عمل کی زبان سمجھتی ہے لہذا علماء دین کی بداعمالیاں پورے عالم کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں، اور اس طرح اس کی براہ راست ضرب اسلام پر پڑتی ہے ارشاد عمر ہے۔

"یھدم الاسلام زلۃ العالم" (سنن الدارمی)

عالم کی لغزش پورے اسلام کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔ کیوں کہ شریعت کا پورا خزانہ ان کے پاس ہوتا ہے جس سے دوسرے لوگ اللہ کی

بداعمالیوں کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں اور اس طرح پورا معاشرہ فسق و فجور کا شکار ہو جاتا ہے بقول عیسیٰ مسیح علیہ السلام علماء سوء کی مثال اس بڑے پتھر کے مانند ہے جو کسی نہر کے دہانے پر اٹک جائے۔ تو ظاہر ہے پتھر نہ تو نہر کے پانی سے بذات خود سیراب ہوگا۔ اور نہ ہی پانی کو فصل تک پہونچنے دے گا تو اسی طرح عالم دین علم دین کے خزانے سے نہ تو خود استفادہ کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اس سے استفادہ کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔

اس لئے علم دین کے شیدائیوں کو برابر اپنی نیتوں اور اعمال کا احتساب کرتے رہنا چاہئے اور بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ

"اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع"

غزل

ایاز بستوی

پھولوں سے بغاوت ہے کانٹوں سے محبت ہے
یہ کیسی شجاعت ہے یہ کیسی رفاقت ہے

آثار مروت سے ہو دل کو سکوں کیوں کر
مسکان بھی چہرے کی اک وجہ سیاست ہے

محفوظ جہاں کوئی گھر میں ہو نہ باہر ہو
اس شہر ستمگر میں جی لینا کرامت ہے

گلشن کے غضب غم کی ہو جائے سحر یارب
پھولوں کا وہ دشمن ہے اب جس کی نظامت ہے

شامل ہے ایاز اپنی فطرت میں وفاداری
اپنوں کی جو چاہت ہے غیروں سے وہ الفت ہے

درس قرآن

بخل اور اس کے اسباب

حافظ احسان الحق فاروقی

اِنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا (سورۃ النساء: ۳۷)

اور ایسے لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو کنجوسی کا حکم دیتے ہیں اور ایسے ہی کافر نعمت لوگوں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جات نو کے جون جولائی کے شمارے میں سورۃ نساء کی آیت ۳۶ کو درس قرآن کے لئے منتخب کیا گیا تھا جس میں اللہ کی عبادت اور حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم دینے کے بعد ان بری خصلتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو اللہ تعالیٰ کو حد درجہ ناپسندیدہ ہیں اور جو فی الواقع اللہ کی بندگی اور حقوق العباد کی ادائیگی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنتی ہیں۔ اس شمارے میں اس کے بعد والی آیت کا انتخاب کیا گیا ہے جس میں ایک تیسری خصلت بیان ہوئی ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کو حقوق کی ادائیگی سے روک دیتا ہے۔ اور وہ مذموم اور شنیع خصلت بخل ہے۔

بخل کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور خیر کے راستے میں ایک شخص اپنا مال خرچ کرنے سے گریز کرے، اسلام کے مالی مطالبات پورا کرنے سے راہ فرار اختیار کرے نیز غریبوں، ناداروں اور پریشان حال رشتے داروں کا مالی تعاون کرنے سے جی چرائے۔ اگر کوئی صاحب حیثیت نیکی اور خیر کے راستے میں ایک شخص اپنا مال خرچ کر رہا ہو لیکن اپنی زندگی تنگی کے ساتھ گزار رہا ہو تو اس کا یہ عمل بخل نہیں کہلائے گا۔ صحابہ کرام، تابعین، اور بعد کے سلف صالحین کے یہاں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ مالی فراوانی کے باوجود انہوں نے اپنی زندگی نہایت تنگی کے ساتھ بسر کی لیکن حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی راہ میں بہت ہی زیادہ فراخدلی کے ساتھ اپنا مال خرچ کرتے تھے اس کے برعکس بہت سے

صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے صالحین نے نیکی اور خیر کے راستے میں انفاق کرنے کے ساتھ ساتھ تحدیث نعمت کے طور پر خود بھی اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے تھے اور نہایت آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بخل کا منبع اور سرچشمہ درج ذیل چیزیں ہیں۔

پہلی چیز حرص اور تنگدلی یعنی جب آدمی کے دل میں حرص پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر بخل کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سورۃ تغابن آیت ۱۶ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد فرمایا جا رہا ہے: وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی حقیقت میں فلاح پانے والے ہیں۔

اس طرح سورہ حشر آیت ۹ میں انصار کے جذبہ ایثار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" جو لوگ اپنے جی کے لالچ سے بچا لئے گئے وہی درحقیقت فلاح پانے والے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے اندر حرص اور لالچ کا روگ نہیں ہوگا وہ بخل سے محفوظ رہیں گے اور انفاق و ایثار کی توفیق پائیں گے جس کے نتیجے میں ابدی کامیابی ان کا مقدر بنے گی۔

دوسری چیز جو اس بیماری کا سبب بنتی ہے انسان کا یہ احساس ہے کہ خیر کے راستے میں مال خرچ کرنے سے وہ مفلس اور قلاش ہو جائے گا چنانچہ سورہ حدید کی درج ذیل آیات میں انسان کی اسی ذہنی بیماری کا علاج بتایا گیا ہے اور اس بیماری میں جو لوگ مبتلا تھے ان کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ

اللّٰہ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (سورہ حدید: ۲۲ تا ۲۴)

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان کام ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ جو نقصان ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل پر اکساتے ہیں۔ اب اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

ان آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ غربت وافلاس کا خطرہ محسوس کر کے انفاق سے ہاتھ کھینچ لینا دراصل اس حقیقت کو دل کی گہرائیوں سے نہ ماننے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ خوشحالی اور پریشان حالی کا دارومدار تمام تر اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور یہ چیزیں پہلے سے اللہ کے یہاں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ محض اپنے بل بوتے پر نہ کوئی شخص تونگر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو غربت وافلاس سے بچا سکتا ہے۔

بخل کا تیسرا سرچشمہ ایمان کا فقدان یا اسکی کمی ہے خاص طور سے جب آخرت اور توحید کے تصورات انسان کے ذہن و دماغ سے اوجھل ہونے لگتے ہیں تو یہ بیماری بڑی تیزی سے حملہ آور ہو جاتی ہے چنانچہ سورۃ اللیل میں فرمایا گیا ہے۔

"فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى" (آیت: ۵ تا ۱۰)

تو جس نے مال دیا اور خدا کی نافرمانی سے پرہیز کیا اور بہترین بات (توحید) کی تصدیق کی اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے اور جس نے بخل کیا اور اپنے خدا سے بے نیازی برتی اور بہترین بات (توحید) کو جھٹلایا اس کو ہم سخت راستے کے لئے سہولت دیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر ایمان کے ذریعہ تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہی تقویٰ انفاق پر ابھارتا ہے اس کے برعکس کفر اور تکذیب کے نتیجے

میں اللہ سے بے پروائی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو تقوے کی ضد ہے اور یہ بے پروائی بخل پر اکساتی ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں فرمایا گیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (آیت: ۲۵۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کچھ مال و متاع ہم نے تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی اور ظالم دراصل وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں۔

اس آیت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو ایمان کے دعویدار ہیں لیکن چونکہ توحید اور آخرت کے تصورات انکے ذہنوں میں پورے طور سے واضح نہیں ہیں اس وجہ سے وہ انفاق سے کتراتے ہیں اسی لئے انہیں انفاق کا حکم دیتے ہوئے آخرت کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ پھر اس کے بعد والی آیت میں جو آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے توحید اور آخرت کا صحیح تصور نہایت دلنشیں انداز میں بیان کیا جا رہا ہے تاکہ یہ لوگ بخل کی مذموم حرکت سے باز آسکیں۔

یہ بخل کے تین اہم اسباب ہیں جن پر قابو نہ پانے کے نتیجے میں نفاق کی روح بالکل مردہ ہو جاتی ہے

"ویأمرون الناس بالبخل" یعنی لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں۔ عام طور سے جو لوگ بخل کے خوگر ہو جاتے ہیں وہ دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتے ہیں تاکہ معاشرے میں اپنے آپ کو رسوائی سے بچا سکیں۔ اور ان کے اس عیب پر پردہ پڑا رہے جس طرح ایک بزدل دوسروں کو بزدلی کا درس دیتا ہے تاکہ لوگوں پر اس کی بزدلی کا راز فاش نہ ہونے پائے آگے فرمایا جا رہا ہے "ویکتمون ما آتاھم اللہ من فضلہ" یعنی اللہ نے اپنے فضل میں سے جو کچھ دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ "فضل" کا لفظ قرآن مجید میں علم کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور مال کے لئے بھی لیکن جس سیاق میں یہ بات

کہی جا رہی ہے اس کی رو سے فضل سے مراد مال کو لینا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔ بخیلوں کی ایک نفسیات یہ ہوتی ہے کہ اپنے بخل پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنی حیثیت سے گر کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے اپنے وسیع اخراجات اور کاروبار میں خسارے کا جھوٹ موٹ کا رونا روتے ہیں تاکہ لوگوں پر ان کے بخل کا راز فاش نہ ہو سکے۔

آیت کا خاتمہ اس مضمون پر ہو رہا ہے کہ ایسے کافر نعمت لوگوں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ کافر کا لفظ یہاں اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ ناشکرے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ خدا کے بخشے ہوئے مال کو نیکی اور خیر کے کاموں میں خرچ نہ کرنا بہت بڑی ناشکری ہے اور چونکہ اس طرح کے لوگ بخل کر کے اللہ کی عظیم نعمت کی ناقدری اور اس کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں اسی لئے انہیں ذلت آمیز عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

غزل

ڈاکٹر نثار احمد نثار (علیگ)

یہ مانا ہم نے گلشن میں ہوائے مشکبار آئی
نہ ساقی ہے نہ دور جام کیا فصل بہار آئی

سنا ہے جس کسی نے بھی خوشی سے جھوم جھوم اٹھا
جو اک شوریدہ سر کی داستان اختصار آئی

یہ ملت آبیاری کیلئے مانگے ہے خوں تیرا
فدائے درد منداں دور تک جاکر پکار آئی

ابھی آکے بیٹھے ہوئے بلاوا آگیا فوراً
حسیں اک خواب تھی یہ زندگی بے اعتبار آئی

ٹھرے اہل عزیمت جب کہ ہمت ہار بیٹھے ہیں
تو پھر اک جرأت مردانہ میری سوئے دار آئی

سفر میں زندگی کے سخت نازک آزمائش تھی
وہ جب اک منزل تعظیم و تکریم دوچار آئی

حوالے کر کے دامن اپنا کانٹوں کے گزر جاؤ
وہ دیکھو سامنے منزل تمہاری اے نثار آئی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور ان کے لخت جگر عبدالملک کی زندگی کے

چند درخشاں پہلو

ابو جلیس ندوی

اپنے پیشرو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی تدفین سے عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے ہی فارغ ہوئے، زمین سے ایک پر شور آواز اٹھی۔

انہوں نے پوچھا:- یہ آواز کیسی ہے؟

لوگوں نے کہا:- امیرالمومنین، قصر خلافت کی یہ شاہی سواریاں ہیں، آپ کے لئے تیار ہو رہی ہیں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے سواریوں پر ایک غلط انداز نگاہ ڈالی اور خوف و خشیت سے لرزتی ہوئی غمناک آواز میں بولے۔

"مجھے ان سواریوں کی ضرورت نہیں ہے"۔ انہیں ہٹاؤ، پرے کرو میرا خچر سواری کے لئے کافی ہے بس اسی کو لاؤ۔

وہ خچر پر جیسے ہی سوار ہوئے، پولیس دار وغہ ان کے آگے آگے اسکورٹ مستعد ہوگیا، ساتھ ہی پولیس کی ایک جماعت بھی ان کے دائیں بائیں صف بستہ کھڑی ہوگئی، سب ہاتھوں میں چمکتے نیزے لئے ہوئے، فوجی انداز سے ان کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہوگئے

عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔ اس خدم و حشم کی تو مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی، آخر میں بھی عام مسلمانوں جیسا ہی ایک مسلمان ہوں۔ جس طرح وہ چلتے پھرتے ہیں، اسی طرح میں بھی چلوں پھروں گا۔

پھر وہ چل پڑے، سارا مجمع بھی ان کے ہمراہ چلا، مسجد پہونچ کر نماز کی جماعت کا اعلان ہوا ہر چہار جانب سے انسانوں کا سیلاب امڈ پڑا، مسجد کھچا کھچ بھر گئی تو انہوں نے

خطبہ دیا، حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد فرمایا۔

اے لوگو! خلیفہ بننے کی مجھے خواہش نہیں تھی اور سچ یہ ہے کہ میں خلیفہ بننا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میری مرضی اور مشورہ کے بغیر مجھے خلیفہ نامزد کر دیا گیا اور عام مسلمانوں سے بھی ان کی رائے اور مرضی نہیں معلوم کی گئی۔

اس لئے میں اپنی بیعت واطاعت کی پابندی سے آپ کو آزاد وبری الذمہ کرتا ہوں، آپ لوگ کسی پسندیدہ ومذہبی شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں۔

ایک آواز ہو کر لوگ پرجوش لہجے میں چیخے۔

"ہم آپ ہی کا انتخاب کرتے ہیں"، "آپ ہی ہمارے پسندیدہ وبہترین خلیفہ ہیں" "خدارا یہ بار امانت لیکر آگے بڑھئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں"۔ جب شور تھم گیا جوش وخروش ٹھنڈا ہوا اور لوگ سکون واطمینان کی حالت میں واپس آگئے تو آپ نے حمد وثنا اور درود وسلام سے پھر تقریر کا آغاز کیا لوگوں کو تقوی کا اختیار کرنے کی رغبت دلائی، دنیا کی محبت اور مال ومتاع کی حرص وآز سے زنگ آلود دلوں میں آخرت کے ذوق وشوق کی قندیل روشن کی اور ایسے اثر انگیز لہجے میں موت کی یاد دلائی کہ دلوں کے پتھر پگھل کر موم ہو گئے، اور آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی پھوٹ پڑی ——— بات دل ہی سے نکلی تھی اور دل ہی میں اترتی اور پیوست ہوتی جاتی تھی۔

پھر بلند آواز سے مخاطب کرکے لوگوں سے کہا۔

لوگو! جو اللہ کا اطاعت گذار ہو اس کی اطاعت کرو، اور جو اس کی اطاعت سے روگردانی کرے، اس کی ایک بات بھی نہ مانو۔ دیکھو میں جب تک راہ واطاعت پر گامزن رہوں اللہ کی اطاعت میں میری اقتدا کرنا، اور اطاعت حق کی راہ سے میرے قدم جس دم پھسل جائیں تم میرے حکموں کو پیروں سے کچل دینا۔

تقریر ختم کرکے منبر سے اترے اور سیدھے گھر گئے، انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی، کیونکہ خلیفہ کی وفات کے بعد مسلسل تابڑ توڑ امور ومعاملات سے دوچار رہ کر وہ

وہ بہت تھک چکے تھے۔

گھر پہونچ کر جیسے ہی وہ بستر پر دراز ہوئے، ان کا نوجوان بیٹا سترہ سالہ عبدالملک آپہونچا۔ امیر المومنین، اب کیا ارادہ ہے؟ عبدالملک نے عرض کیا۔

بیٹے! میں تھک کے چور چور ہو چکا ہوں، اب مجھ میں اتنی تاب وتواں نہیں کہ کوئی کام کر سکوں، اس لئے تھوڑی دیر آرام کروں گا، پھر کچھ سوچوں گا۔

کیا لوگوں کے حقوق وواجبات ادا کئے بغیر آپ سو جائیں گے۔ عبدالملک نے کہا۔

بیٹے! تمہارے چچا سلیمان کی تجہیز وتکفین کے سلسلہ میں مجھے رات بھر جاگنا اور تگ ودو کرنا پڑا، اس لئے اب آرام کر لینے دو، ان شاء اللہ ظہر کی نماز کے بعد حقوق کے تصفیہ کا اہتمام ہوگا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا۔

امیر المومنین! اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ ظہر تک بقید حیات بھی رہ سکیں گے، عبدالملک نے تعجب سے کہا۔

یہ بات سنتے ہی عمر بن عبدالعزیز کی عزیمت کو ایسی آنچ لگی کہ نیند آنکھوں سے اڑ گئی۔ ان کے تھکے ہوئے جسم میں قوت وعزم کی تازہ روح دوڑ گئی، انہوں نے بیٹے سے کہا، قریب آؤ، وہ قریب آیا تو اس کو سینے سے لگا لیا اور پیشانی کو چوم کر کہا۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ مجھے ایسی اولاد عطا کی جو دینی معاملات میں میری مددگار ثابت ہوئی۔ پھر نئے عزم وہمت سے اٹھے اور اعلان کرایا کہ جس کے بھی کچھ حقوق ہوں وہ پیش کئے جائیں۔ ان کا فوری تصفیہ کیا جائے گا۔

یہ عبدالملک کون ہیں؟ ان کے حالات وواقعات کیسے کچھ ہیں۔

یہ عبدالملک وہی ہیں جنہوں نے شاہی خاندان کا چشم وچراغ ہونے کے باوجود دنیا میں اس طرح زندگی گذاری جیسے، ان کو دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ آئیے ان کے حالات وواقعات کو غور سے پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے پندرہ اولاد تھی، بارہ لڑکے اور تین لڑکیاں۔ ان کے

سارے بیٹے بیٹیاں انتہائی پاکیزہ طینت، شستہ کردار، تقویٰ شعار اور صالح و پرہیزگار تھے وہ سب کے سب خدا شناس، خدا رسیدہ اور خدا ترس تھے، لیکن ان سب میں عبدالملک کی حیثیت ہیرے کی کنی کی طرح نمایاں اور روشن تھی۔ وہ بڑے ہونہار، ادب آموز اور زیرک و ہوشمند تھے عمر کے لحاظ سے تو ابھی بچے تھے۔ لیکن فہم و فراست میں عمر رسیدوں کی طرح تجربہ کار۔ بچپن ہی سے عبادت الٰہی کا شوق ان پر غالب رہا اور وہ بندگی و طاعت ہی میں خود فراموش رہے۔ عادات و اطوار میں ہم شبیہ اولاد عمر تھے لیکن تقویٰ اور معصیت سے اجتناب اور سنت کے التزام میں ابن عمرؓ سے انہیں خصوصی مماثلت تھی ان کے عم زاد بھائی عاصم بن ابوبکر بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ:۔

ایک وفد کے ہمراہ دمشق جانے کا میرا اتفاق ہوا تو میں عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز کے یہاں فروکش ہوا، وہ اس وقت غیر شادی شدہ تھے، عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب ہم اپنے بستر پر پہونچے تو انہوں نے چراغ گل کر دیا، ہم جلد ہی نیند کی آغوش میں پہونچ گئے درمیان شب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ (عبدالملک) مو نماز ہیں اور یہ آیت پڑھ رہے ہیں

أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ
(الشعراء ۲۰۵-۲۰۷)

یہ آیت وہ بار بار دہراتے جاتے اور سسکیاں لے لے کر ایسی رقت انگیز آواز میں روتے جاتے کہ سن کر دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے، جب وہ پوری آیت پڑھ لیتے تو پھر پلٹ کر اسی کو دہراتے اور اسی طرح زار زار روتے ان کا اس طرح رونا مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ میں نے چاہا کہ ان کا رونا کسی طرح بند ہو جائے ورنہ ان کی جان پر بن آئے گی، یہ سوچ کر میں نے کسی قدر بلند آواز سے کہا لا الٰہ الا اللہ والحمد للہ۔ وہ سمجھے کہ لوگ سو کر اٹھ چکے ہیں اس لئے سو کے اٹھنے والی دعا پڑھ رہے ہیں، بہرحال انہوں نے میری آواز سنی تو خاموش ہو گئے، رونے کی آواز بھی بند ہو گئی۔

اپنے عہد کے نامور علماء کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان سے پورا پورا استفادہ کیا یہاں تک کہ کم عمری ہی میں ان کا شمار طبقۂ اولیٰ کے علماء میں ہونے لگا تھا

کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے شام کے تمام معروف و سربرآوردہ علماء و فقراء کو ایک روز طلب کیا اور ان سے استفسار کیا کہ:۔ اس وقت میرے اہل خاندان کے ہاتھوں میں کچھ ایسی املاک ہیں جو اصلاً دوسروں کا حق ہے، ان کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔

"چونکہ یہ معاملات آپ کے زمانۂ خلافت کے نہیں ہیں، اس لئے اس کی باز پرس ان لوگوں سے ہوگی جو براہ راست اس میں ملوث تھے، آپ اس سے بری الذمہ ہیں"

اس جواب سے عمر بن عبدالعزیز مطمئن نہ ہوئے۔ فقہاء میں ایک فقیہ کی رائے اس سے کچھ مختلف تھی، انہوں نے عرض کیا۔ امیر المومنین! مناسب ہوگا کہ عبدالملک کو بھی بلا لیا جائے اور ان کی رائے بھی معلوم کر لی جائے کہ فہم و فراست اور علم و تفقہ میں ان کا رتبہ بھی موجود فقہاء سے کم نہیں ہے۔

عبدالملک آئے، تو ان کے سامنے بھی وہ سوال رکھا گیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ:۔

ساری املاک ان کے حقداروں کو لوٹا دی جائے ورنہ عمر بن عبدالعزیز بھی ان لوگوں کے ظلم میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے، جنہوں نے ظلماً ان املاک کو اپنے قبضہ میں لیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا سارا غم کافور ہو گیا اور چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کہ بیٹے نے ان کی مشکل حل کر دی۔

شام بڑا خوبصورت اور آباد شہر تھا، اس کی رونق اور چہل پہل بڑی دلگیر تھی جو بھی وہاں جاتا، وہیں کا ہو کے رہ جاتا، شہر کی دلفریبی اس کو ایسا گرویدہ بنا لیتی کہ اسے چھوڑ کے جانے کا نام نہ لیتا، کہ اس کی آغوش میں بڑے بڑے دریا کی روانی تھی لہلہاتے سبزہ زار تھے خوبصورت باغات تھے، باغات کی دل آرام گھنی چھاؤں تھی غرض فطرت کے حسین اور دلکش مناظر کا مرقع جمال یہ شہر بڑا دلآویز و دلستاں تھا لیکن عبدالملک نے شہر کی خوبصورتی

کے مقابلے میں سرحدی علاقوں کی خشک اور پر خطر زمین کو اپنی بود و باش کا مرکز بنایا تاکہ سرحد کی حفاظت کا دینی فریضہ بھی ادا ہو سکے اور شہر کی لذت کوش زندگی کے مفاسد سے بھی برحذر رہا جا سکے۔

ان کے والد کو ان کے صلاح و تقویٰ، امانت و دیانت اور پاکبازی و نیک طینتی پر پورا اعتماد تھا، پھر بھی ان پر اندیشہ لاحق رہتا کہ مبادا شیطان کی وسوسہ اندازی میں آ کر وہ شباب کی لغزشوں کا شکار ہو جائیں، اس لئے وہ ان کے حالات و معاملات سے برابر آگاہی حاصل کرتے رہتے تھے الا یہ کہ معاملہ ایسی شخصی نوعیت کا ہو جس کی ٹوہ میں رہنا دوسروں کے لئے جائز نہ ہو۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے وزیر اور ان کے مشیر خاصؒ قاضی میمون بن مہران کا بیان ہے کہ:۔

میں ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اپنے بیٹے عبدالملک کو خط لکھ رہے تھے، خط تمام تر پند و موعظت پر مشتمل تھا، خط کا ایک ٹکڑا یوں تھا۔

"بیٹے! میری بات کو سب سے زیادہ تم ہی سمجھتے ہو اور تم ہی اس کو سب سے زیادہ یاد بھی رکھتے ہو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے جس فضل و کرم سے ہمیں تمہیں نوازا ہے اسے کبھی نہ بھولنا۔ بڑا بننے اور بڑائی جتانے سے بچنا کہ یہ شیطان کا کام ہے جو انسان کا کھلا دشمن ہے۔

خط کے مضمون سے تمہیں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ تمہارے خلاف کسی شکایت سے متاثر ہو کر تمہیں اس طرح نصیحت کر رہا ہوں، تمہارے بارے میں خیر و صلاح کی خبریں ہی مجھے موصول ہوتی رہی ہیں، البتہ ایک بات یہ ضرور سننے میں آئی ہے کہ تم کسی قدر خود پسندی میں مبتلا ہو، دیکھو یہ خود پسندی اگر تمہیں کسی نامناسب رویہ تک لے گئی تو میرا رویہ بھی تمہارے ساتھ نامناسب ہی ہو گا۔

میمون مزید بیان کرتے ہیں کہ:۔

عمر بن عبدالعزیزؒ یہ خط لکھ کر میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:

میمون: دیکھو میرا یہ لڑکا صحیح معنوں میں میرا دلبند ہے، میں اس کو بہت عزیز رکھتا

ہوں اور حد سے زیادہ اس کو چاہتا ہوں، مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ محبت کہیں میری ایسی بشری کمزوری کا نتیجہ نہ بن جائے اس کی غلطیوں سے اندھا کر دے، اس لئے تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے ظاہری و باطنی حالات کا کچھ اندازہ کر کے مجھے بتاؤ، دیکھو کہ ان میں فخر و غرور یا تکبر کا کوئی شائبہ تو نہیں پایا جاتا، کیونکہ ابھی وہ نو عمر و نوجوان ہے شیطان کا داؤ اس پر آسانی سے چل سکتا ہے۔

میمون بیان کرتے ہیں کہ:۔

میں عبدالملک کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ واقعی ایک بالکل نو عمر لڑکا ہے جو بال کی بنی ہوئی چٹائی کے اوپر سفید گدے پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے دیکھا تو لپک کے خوش آمدید کہا اور بڑی خاکساری سے پیش آیا پھر کہا۔

میرے والد صاحب آپ کی خوبیوں کا اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ذات سے سب کو نفع پہونچائے۔

میمون کہتے ہیں کہ میں نے خیریت پوچھی تو کہا کہ سب کچھ ٹھیک ہے البتہ ایک کھٹک اکثر مجھکو پریشان کرتی ہے، دیکھئے میرے والد صاحب میرے بارے میں کچھ خوش فہمی کا شکار ہیں، حالانکہ میں فضل و شرف سے یکسر عاری ہوں، اس لئے ڈرتا ہوں کہ یہ خوش فہمی اور مجھ سے ان کی یہ محبت کہیں میری کوتاہیوں کو بھی ان کے لئے خوشنما اور خوش آئند بنا دے۔ اگر ایسا ہوا تو میں ان کا بیٹا نہیں بلکہ ان کے لئے مصیبت کا ایک پتلا ہوں۔

میمون کہتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ باپ اور بیٹے دونوں کا انداز فکر بالکل ایک اور یکساں تھا۔

پھر میں نے ان سے پوچھا۔

آپ کی گذران کا ذریعہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا:۔

ایک آدمی نے اپنے باپ کی میراث سے ایک قطعہ اراضی پائی تھی وہ میں نے اس سے خرید لی، اس کی قیمت میں نے اس روپے سے ادا کی جو سرتا پا طیب

وحلال تھا، ایک ذرے کے برابر بھی اس میں حرام کا شائبہ نہ تھا۔ اسی زمین کا اگایا ہوا اناج میری گذر بسر کا ذریعہ ہے اور بس۔ یہی اناج میری تمام ضروریات کے لئے کافی ہو جاتا ہے بیت المال سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

میں نے پوچھا کھانے میں آپ کیا کیا چیز لیا کرتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا! کبھی صرف گوشت، کبھی صرف دال، اور کبھی صرف زیتون، کبھی کبھار سرکہ اور زیتون دونوں۔

میں نے پوچھا۔

کیا کبھی کوئی ایسا موقعہ بھی آیا کہ آپ نے دوسروں کے مقابلے میں کچھ بڑائی محسوس کی ہو؟

انہوں نے کہا۔

پہلے یہ بیماری میرے اندر کچھ تھی، لیکن والد صاحب کی نصیحت سے مجھے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوا اور اب میں اپنے آپ کو حقیر و بے مایہ ہی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ والد صاحب کو جزائے خیر سے نوازے۔

میمون کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہا۔ گفتگو سے اندازہ ہوا کہ اس عمر میں ایسا دیدہ ور، زیرک، ادب آموز اور صاحب عقل و ہوش شاید ہی کوئی دوسرا دیکھنے کو ملے۔

جب شام ہوئی تو ایک لڑکا آیا، اس نے کہا "ہم فارغ ہو چکے"۔

وہ خاموش رہے۔

میں نے پوچھا۔ یہ کس کام سے فارغ ہونے کی خبر دے کر گیا ہے۔

انہوں نے کہا! غسل خانہ سے۔

میں نے کہا۔ پوری بات کی وضاحت کیجئے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر انہوں نے کہا۔ غسل خانہ میں بھیڑ ہوتی ہے، وہ بھیڑ ہٹا کے مجھے بتانے آیا تاکہ میں جا کر غسل کر لوں۔

میں نے کہا! اس سے آپ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔

انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کانپ کے بولے، محترم چچا بتایئے اس میں کون سی بڑائی ہے۔

میں نے کہا! بتایئے کہ حمام آپ کا ہے؟

انہوں نے کہا! نہیں

میں نے کہا حمام جب آپ کا نہیں ہے تو آپ نے ان کو حمام سے کیوں نکلوایا اس سے تو آپ کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے پھر ایسا کر کے آپ حمام کے مالک کی آمدنی کو بھی نقصان پہونچاتے ہیں، کیونکہ جب آپ حمام میں جائیں گے تو دوسرے لوگ اس میں نہیں داخل ہوں گے۔

انہوں نے کہا! میں حمام کے مالک کو دن بھر کی اجرت دے کر رضامند کر لیتا ہوں

میں نے کہا! یہ بھی ایک طرح کا اسراف ہے، اور اس میں یک گونہ تکبر بھی شامل ہے آخر جب آپ بھی عام لوگوں جیسے ہی ہیں تو عام لوگوں کے ساتھ حمام میں جانے سے آپ کو تکلف کیوں محسوس ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا! بعض ایسے گنوار بھی حمام میں آتے ہیں جن کے بدن پر زیر جامہ نہیں ہوتا، اس لئے احتیاطاً ایسا کرتا ہوں کہ مبادا ان کی شرمگاہ پر نظر پڑ جائے اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ زبردستی انہیں زیر جامہ استعمال کرنے پر مجبور کروں کہ لوگ اسے خواہ مخواہ شاہی خاندان کے اقتدار و احترام کا لازمی حق تصور کریں گے۔

آپ میرے حسب حال کچھ مفید نصیحتیں کیجئے، جن کو مشعل راہ بنا کر میں ایسے مواقع پر بے داغ و بے غبار رہ سکوں۔

میمون کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا۔

آپ رات کو حمام میں جایا کریں، اس وقت وہ بالکل خالی رہتا ہے۔

انہوں نے کہا! اب لازماً ایسا ہی کیا کروں گا، اور اگر یہاں برف بھی راتوں کی

مروی کا ذمہ ہو تو دن میں کبھی حمام کا رخ نہ کروں، پھر اپنا سر جھکایا اور کچھ سوچنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا تو بولے۔

آپ یہ بات میرے والد صاحب کو نہ بتائیں، کہ وہ ناراض ہوں گے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے کہ کہیں ان کی ناراضگی کے دوران ہی مجھے موت نہ آجائے۔ یہ کتنی بدنصیبی کی بات ہوگی کہ آدمی دنیا سے رخصت ہوتے وقت باپ کو ناراض چھوڑ جائے۔

میمون نے کہا! اس موقعہ پر میں نے ان کی فراست کا امتحان لینے کے لئے ان سے کہا اگر امیر المومنین مجھ سے وہ ساری باتیں معلوم کرنا چاہیں جو میں نے یہاں دیکھی اور سنی ہیں تو کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ میں ان سے کچھ جھوٹ بولوں۔

انہوں نے کہا! ہرگز نہیں، آپ ان سے یوں کہیے کہ میں نے کچھ نامناسب چیزیں دیکھی تھیں، تو ان کو نصیحت کی تھی انہوں نے میری نصیحت پر فوراً ان چیزوں سے توبہ کرلی۔ مجھے یقین ہے کہ والد صاحب ان حالات و واقعات کو جاننا پسند نہیں کریں گے جو آپ ان سے ظاہر نہ کریں۔ بحمد اللہ جھوٹی باتوں کا ٹوہ لگانے کی انہیں عادت نہیں ہے

میمون نے کہا:-

ہم نے آج تک نہ عمر بن عبدالعزیز جیسا باپ دیکھا نہ عبدالملک جیسا بیٹا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی رضا و رحمت سے شاد کام کرے۔ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، ان کو بھی خوش رکھے اور خود بھی ان سے خوش رہے۔

قول زریں

"ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم کھڑے ہو کر تمام دنیا سے غیر اللہ کی حاکمیت مٹا دیں اور خدا کے بندوں پر خدا کے سوا کسی کی حاکمیت باقی نہ رہنے دیں"

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

آخری قسط

احیاء امت اور اس کے مطالبات

(قرآن و سنت کی روشنی میں)

عبدالعزیز سلفی عتیق
ڈی 22، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ 25

موجودہ صورتحال

یہ بات بڑی عجیب محسوس ہوتی ہے کہ آج ایسے دور میں، زندگی کے تمام میدانوں سے متعلق اقدار اور حقیقی روح کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، جب امت اپنے ضعف و اضمحلال کی انتہائی پریشان کن حالت سے گزر رہی ہے۔ ہدایت و اطاعت کی لذت کو بھول چکی ہے، امت کا باشعور طبقہ مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے وابستہ ہو کر مطمئن ہے کہ اجتماعی زندگی گزاری جا رہی ہے، دین و ایمان کے تقاضے پورے کیے جا رہے ہیں۔ یہ ایک بڑا خوش نما اور تباہ کن فریب ہے جس میں دین و دانش کی متاع بے بہا رکھنے والے مبتلا ہو گئے ہیں جب کہ ملت کی عظیم اکثریت اور عوام کا حال اس سے بھی زیادہ عبرت ناک اور درد انگیز ہے۔ وہ روایتی دینداری اور اس کے چند مظاہر پر قناعت کر بیٹھے ہیں اور عام زندگی میں مشکلات و مصائب کا سامنا کرتے ہوئے غیر مسلم قیادت کی پناہ میں جا بیٹھے ہیں۔ بعض دینی و قومی امور میں اپنے مذہبی پیشواؤں کی اور اکثر معیشت میں وہ غیر مسلم قائدوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو انہیں اپنے سیاسی اغراض اور حرص آزمائی کی قربان گاہ پر مسلسل بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ دین و ملت اور تہذیب و اقدار سے انہیں کاٹ کر پیش رو [Forward] اور پس ماندہ [Backwrd] گروہوں میں مستقل طور سے تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ذات پات، نسل اور پیشہ کی بنیاد پر توڑا

بجا ہے اور تقاضا یہ ہے کہ امت مسلمہ میں بحیثیت اصطلاح رائج ہے اور قبول عام حاصل کرتی جا رہی ہے مگر افسوس کہ ہمیں یہ کھلا ہوا تضاد محسوس نہیں ہوتا۔ علماء و مفکرین اور صاحب فکر موجود ہیں مگر کوئی نہیں جو امت رسول کی پاسبانی کرے اور شیطانی یلغاروں سے اس کو محفوظ رکھے۔ یہ تحریک وہی کیفیت ہے جس سے بچنے کی تنبیہ فرمائی گئی تھی
من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون (38)

اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بہت سے گروہ بن گئے اور ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو ان کے پاس ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہماری حالت ان اہل کتاب جیسی ہو گئی ہے جن کی تصویر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچی ہے فتقطعوا امرهم بينهم زبرا و كل حزب بما لديهم فرحون (39) پھر ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریقہ الگ کر کے اختلاف پیدا کر دیا اور ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی سے خوش ہے۔

جب کسی ملت کا یہ حال ہو جائے تو مصیبتیں اس پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتی ہیں۔ قوت مدافعت اس کی جواب دے جاتی ہے۔ اپنی خودی کی حفاظت اور اپنے دین و تہذیب کے تحفظ کے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ ان کا باہمی انتشار انہیں اس لائق نہیں چھوڑتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر محاذ پر ہزیمت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور وہ عبرت کی مثال بنا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے جو مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کی شناخت دیکھئے کس طرح فرمائی ہے۔

لا يقاتلونكم جميعا الا في قرى محصنة او من وراء جدر بأسهم بينهم شديد تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى ذالك بانهم قوم لا يعقلون (40) یہ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے سوائے قلعہ بند گاؤں یا شہر پناہ کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس میں بڑی سخت ہے تم انہیں متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ وہ دین کی عقل و بصیرت نہیں رکھتے۔

اہل کتاب نے نفس پرستی اور ظلم روا رکھنے کے لئے آپس میں اختلاف کیا حالانکہ عقل و بصیرت کا تقاضا اور ان کی تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ تھا کہ ذہنی تعلق اور

احسانات کی قدر کرتے۔ ملی اتحاد کو باقی رکھتے۔ دینی فہم و فراست سے کام لیتے مگر انہوں نے ایسا نہ کر کے اختلاف اور تفرقہ کی روش اپنائی وہ ایک امت ہوتے ہوئے بھی پارہ پارہ ہو گئے آپس میں بغض و عناد اور دشمنی کی ایسی آگ بھڑکائی جو سرد پڑنے کے بجائے بھڑکتی اور پوری ملت کو اپنی لپیٹ میں لیتی چلی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نڈھال اور کمزور ہو گئے ان کی جمعیت اور قوت بکھر گئی اور حال یہ ہو گیا کہ وہ محفوظ قلعوں اور کمین گاہوں میں اپنے وجود کا احساس تو دلا سکتے تھے۔ مگر جواں مردوں کی طرح میدان مقابلہ میں اپنی قوت کا جوہر نہیں دکھا سکتے تھے۔

امت مسلمہ کو اس روش سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی اور صاف لفظوں میں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کر ڈالے جو ان کی قوت و شوکت کی بنیاد اور ان کی عظمت کا سرچشمہ تھا جب وہ سرچشمہ حیات کمزور پڑ گیا۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے تو ظاہر ہے کہ جن کا تمام انحصار اسی پر تھا وہ کیوں کر عزت و طاقت حاصل کر سکتے تھے وہ بھی کمزور اور ذلیل ہو گئے اور نادانی اپنی اس بدبختی پر نازاں بھی رہے اختلاف و انتشار کو یہ سمجھتے رہے کہ یہ کوئی بڑا عظیم کام ہے۔ جو وہ انجام دے رہے ہیں۔ اس واضح تنبیہ کے باوجود امت مسلمہ کا یہ حال ہو گیا مسلمان بھی مختلف احزاب (پارٹیوں) میں بٹ چکے ہیں۔ دین و دنیا کی تقسیم پر راضی ہیں۔ دین کے بہت سے ایڈیشن بنائے جا چکے ہیں ہر پارٹی اور جماعت کا دستور اور منشور ہی نجات کی راہ ہے۔ ہر گروہ اپنے سوا دوسروں کو جادہ حق یا کم از کم معیار مطلوب سے ہٹا ہوا سمجھتا ہے۔ ہر ایک کا اعتقاد یہ ہے کہ مسلمان ملت اس میں ضم ہو جائے یا اس کی ہمنوا بن جائے تب وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ ورنہ ٹھوکروں اور پامالیوں کے سوا اس کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کل حزب بما لديهم فرحون کی اس سے زیادہ عبرت ناک تفسیر اور کیا ہو گی یہ اس ملت کا حال ہے جس کے دشمن ایسی چالوں اور خفیہ تدبیروں میں مصروف ہیں کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکے۔

وقد مكروا مكرهم وان كان مكرهم لتزول منه الجبال (41)

ان لوگوں نے اپنی سی بہت بڑی بڑی تدبیریں کر لی ہیں اور خدا کے سامنے ہے ان کی

تدبیر ۔ بے شک ان کی تدبیریں ایسی ہیں کہ پہاڑ بھی ان سے ہل جائیں مگر وہ سب رائیگاں ہونے والی ہیں۔

یہ آیت امید کی ایک روشن کرن ہے جو ہمیں اتحاد اور قوت کے ساتھ جینے کا سبق دے رہی ہے۔ اگر ہم گروہی تفرقہ بازیوں سے نکل کر ایمان و یقین اور اجتماعیت کی روش اختیار کر لیں تو صورت حال بدل سکتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اپنی چالوں اور سازشوں کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین (42) ان لوگوں نے خفیہ سازش تیار کر رکھی ہے اور اللہ نے بھی تدبیر اختیار کر رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔ ان خوفناک اور حوصلہ شکن حالات میں مسلمانوں کے لئے تمام عالم میں صرف ایک ہی جائے پناہ اور رہنما ہو سکتا ہے ایسا ہی چشمہ نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے یہ وہی ہے جو کبھی وہ سینا پر تجلی حق بن کر چمکی کبھی فاران پر ابر رحمت بن کر نمودار ہوئی کبھی غار ثور میں لاتحزن ان اللہ معنا کی صدا میں تھی کبھی بدر کے کنارے ان ینصرکم فلا غالب لکم کے پیغام میں تھی۔ کبھی احد کے دامن میں وکان حقا علینا نصر المومنین کی بشارت میں تھی اور آج ایک لٹے ہوئے کارواں ایک برباد شدہ قافلہ اور ایک برہم شدہ انجمن کے لئے امید کا آخری سہارا اور زندگی کی آخری روشنی ہے۔ (43)

یہ صورت حال نئے عزم و حوصلہ کی متقاضی ہے یہ سچ ہے کہ حالات حوصلہ شکن ہیں مگر ایسا کب ہوا ہے کہ کشمکش حیات کے بغیر زندگی کا کوئی معرکہ سر کر لیا گیا ہو اسلام مخالف طاقتوں نے ہمیشہ اس کی راہ روکنے کی کوشش کی ہے اور اسلام ہمیشہ اپنی کمزوری و بے بضاعتی کے باوجود خدا کی نصرت سے باطل پر غالب آیا ہے۔ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم ذلہ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون (44) بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری نصرت فرمائی جب کہ تم بہت کمزور تھے پس لازم ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار بنو۔ بدر جو مسلمانوں کے عروج کا نقطہ آغاز ہے اس کی صورت حال یہ تھی دشمن کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی مگر عزم و ایمان اور

توکل ان کا سرمایہ تھا لہذا کفر کی شریر موجیں ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں۔ اسی طرح کفر کی چالیں خوفناک ہونے کے باوجود سچے اہل ایمان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی ہیں۔ وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط (45) اگر تم استقلال اور تقوی کے ساتھ رہو تو ان کی چالیں تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (46) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا اہل ایمان کو تو بس اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہئے۔

یہ ہے اللہ کی شان عظمت، وہ کفار و مشرکین کی تمام تدبیروں اور چالوں کا احاطہ کئے ہوئے وہ انہیں رائیگاں اور بے نتیجہ کر دیا کرتا ہے اس کی نصرت جب متوجہ ہو جائے تو کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی مغلوب اور تابع نہیں بنا سکتی اللہ تعالیٰ نے واشگاف لفظوں میں اعلان فرمایا ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا (47) اور ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں و مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ کرے گا۔

امکانات

موجودہ مشکلات ہی میں امید کا سرا موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اللہ کی طرف پلٹیں اللہ کی بندگی اور رسول کی پیروی کا عہد تازہ کریں۔ اور عصری تقاضوں کے مطابق سامان سفر تیار کر لیں۔ سفر سے پہلے زاد راہ کی فکر کر لو اور طوفان سے پہلے کشتی بنا لو کیونکہ سفر قریب ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں جن کے پاس زاد راہ نہ ہو گا بھوکے مر جائیں گے اور جن کے پاس کشتی نہ ہوگی غرق ہو جائیں گے۔

جب تم دیکھتے ہو مطلع غبار آلود ہوا اور دن کی روشنی بدلیوں میں چھپ گئی تو تم سمجھتے ہو کہ برق و باراں کا وقت آگیا ہے پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کی امن و سلامتی کا مطلع غبار آلود ہو رہا ہے دین الٰہی کی روشنی ظلمت کفر و ملحدین میں چھپ رہی ہے مگر تم

یقین نہیں کرتے کہ موسم بدلنے والا ہے اور تیار نہیں ہوتے کہ نفسانی بادشاہوں سے کٹ کر خدا کی بادشاہت کے مطیع ہو جاؤ یا تم نہیں چاہتے کہ خدا کے تخت جلال کی منادی پھر بلند ہو اور صرف اس لئے ہو " حتی لاتکون فتنه ویکون الدین کله لله ۔ (48)

مسلمانوں کی پامالی بہت ہو چکی ہے اور انسانیت عدل و احسان کو ترس گئی ہے زمانہ ایک بڑی تبدیلی کے لئے کروٹ لے رہا ہے امت مسلمہ کے لئے اپنا کردار ادا کرنے کا وقت آگیا ہے اپنے حصاروں سے نکل کر امامت گیری کا عظیم منصب اس کو سنبھالنا چاہئے تاکہ ہر قسم کے ظلم و بربریت سے وہ خود نجات پا سکے اور دنیا عدل و انصاف اور امن و سلامتی سے ہم کنار ہو۔ " وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلیب کا جھنڈا لہرا رہا ہے مگر زندہ وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس میں خونچکاں تلوار کا قبضہ ہو۔ یہی اقوام کی زندگی کا تیج، قیام عدل و میزان کا وسیلہ، انسانی معیشت و زندگی کا بچاؤ اور مظلوم کے ہاتھ میں اس کی حفاظت کی ایک ہی ڈھال ہے۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معهم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کو کتاب اور میزان دی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور تیز لوہا پیدا کیا جو ہتھیاروں کی صورت میں سخت خطرناک بھی ہے اور نفع رساں بھی " (49)

زندہ اور غیور قومیں حالات کا ماتم نہیں کرتیں۔ سخت حالات میں بھی اپنے فکر و عقیدہ کے لئے سازگاری کی راہیں پیدا کرتی ہیں حالات سے مجبور نہیں ان پر اثر انداز ہو کر فکر و عمل کی نئی جہتیں دریافت کرتی ہیں گزرا ہوا زمانہ ہمارے لئے ایک نازک چیلنج ہے ہمارا مستقبل آج کے فیصلے کے سوا اور کچھ نہیں ہم مستقبل کے افق پر اگر روشن صبح کے منتظر ہیں تو اس کی راہ آج کی شب تاریک سے ہو کر گزرتی ہے اور امکانات کا سورج ہمیشہ مشکلات کی گھاٹیوں سے طلوع ہوتا ہے۔ یہی سچ ہے یہ عزم اگر پیدا کیا جا سکے کہ موجودہ صورتحال سے ہمیں نکلنا ہے مقصد زندگی کے لئے ہمیں اپنے حصے کی قربانیاں پیش کرنی ہیں ہم ذلت و محکومی کے لئے پیدا نہیں ہوئے اس سرزمین پر ہمارا ایک مثبت

اور تعمیری رول ہے اور کسی بھی قیمت پر اس کو انجام دینا ہے باشندگان ملک کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہمارے بغیر ادھورے ہیں۔ موجودہ راہ و روش تباہ کن اور ہولناک ہے اسوہ حسنہ کے مطابق انسانیت کا نجات دہندہ، محسن انسانیت اور معلم اخلاق کے فرائض ہم انجام دینے کے لئے تیار ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ حالات نہ بدلیں۔ قانون فطرت کے مطابق زمانہ گردش کر رہا ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں وہ اللہ کی مٹھی میں ہیں اس کا مخلص اشارہ وفادار بندوں کے حق میں اسے کروٹ دے سکتا ہے۔ اللہ کی ایک نظر عنایت ہماری صفوں سے قافلہ انسانیت کے رہنما منتخب کر سکتی ہے شرط صرف یہ ہے۔ یا ایها الذین آمنوا ان تنصرو الله ینصرکم و یثبت اقدامکم۔

اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کے لئے آمادہ ہو تو اللہ تعالی تمہاری نصرت کے لئے ہر وقت تیار ہے وہ تمہارے گریز پا قافلہ کو ثبات و استقامت کی وہ قوت دے گا کہ زمانہ کی کوئی آندھی ہلا نہیں سکتی اور کوئی اقتدار تمہیں عاجز و بے بس نہیں بنا سکتا۔

" حسن نیت خلوص اور جذب انابت کے ساتھ اس کی طرف پلٹنے والے کبھی مایوس نہیں ہوتے آخر وہ ہم کو مایوس کیوں کردے گا سیدنا مسیح کے لفظوں میں ہم میں سے ہیرے کے طلبگار ہوں تو وہ ہمارے ہاتھوں میں پتھر نہیں رکھ سکتا ہم اس سے مچھلی کی آرزو رکھتے ہوں۔ تو وہ ہمیں سانپ نہیں پکڑا سکتا۔ اس کا تو اعلان ہے انا عند ظن عبدی بی (51) میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہو جاتا ہوں جب وہ مجھ سے خیر و صلاح کی امید رکھتا ہے تو میں اس کی امیدوں اور آرزوؤں کے مطابق اس کو خیر سے نوازتا ہوں اور جب مجھ سے مایوس و ملول ہو جاتا ہے تو میں اس کو نا امیدیوں کے حوالے کر دیتا ہوں۔

کس قدر تسلی بخش و سکون آفریں ہے یہ پیغام لاتهنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین (52) ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب ہونے والے ہو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ یعنی اسباب کی دنیا میں کشمکش حیات میں سستی و کم ہمتی کا مظاہرہ نہ کرو زندگی کی راہوں میں جو زخم، شکست اور پامالیاں حصہ میں آئی ہیں ان سے افسردہ و بے حوصلہ نہ ہو تم قادر مطلق پر ایمان رکھنے والے ہو۔ زخم کھانے کے بعد

سرگرمی و قوت کے ساتھ کوئی زخم لگانے کی فکر کرو۔ اپنی شکست و ہزیمت کو فتوحات کا ایک باب تصور کرو۔ اور پامالی کے بعد سرفرازی کی امید رکھو اس لئے کہ تم مومن گروہ سے تعلق رکھتے ہو ان کا شیوہ یہ نہیں ہوتا کہ زمانہ کے دیے ہوئے زخموں کو چاٹتے رہیں اس کو ایک حادثہ سمجھ کر بھول جاؤ۔ نئی منزلیں تمہاری راہ تک رہی ہیں۔ اور تمہارا رب نئی فتوحات سے تمہارا منتظر ہے۔

اللہ رب العالمین اس کائنات کا اصلی فرماں روا ہے اور ہر ذرہ کائنات پر اس کا حکم جاری ہے تمام تغیرات (Changes) اسی کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہماری موجودہ حالت اس کی وسیع رحمت کا نتیجہ ہے اس حالت کو وہی بدل سکتا ہے ہم اگر اس کی دست قدرت کے ترجمان بن سکیں۔ تو بہت جلد نئی تبدیلی کے آثار ہم دیکھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو یاد دلایا گیا۔ واذکروا نعمۃ اللہ اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (53) اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے ہم علاحدہ ہستے تو خیر کیا کہتے ہیں۔ سید المرسلین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ والف بین قلوبھم ولو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف انہ عزیز حکیم۔ (54) اللہ نے ہی اہل ایمان کے دلوں کو جوڑا ہے اور اے نبی اہل ایمان کی تالیف قلب کے لئے دنیا کی تمام دولت بھی تم صرف کر دیتے جب بھی یہ ناممکن تھا کہ تم ان کے دل جوڑ پاتے مگر اللہ نے ان کے دل جوڑ دیے وہ بڑا قدرت رکھنے والا حکمت والا ہے۔

ان آیات پر غور فرمایئے ان میں عبرت و نصیحت کا بڑا سامان ہے۔ کسی ملت کی شیرازہ بندی، اتحاد اور قوت اللہ کا ارشاد ہے کسی انسان کی تدبیر و تقریر کا اعجاز نہیں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ دل رحمن کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہوتا ہے اور دعا سکھائی اللھم صرف قلبی الی طاعتک اللھم ثبت قلبی علی طاعتک اے اللہ میرے دل کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے اور اے میرے مالک میرے دل کو اپنی اطاعت پر جما دے۔

اگر ہمارے علماء، ائمہ اور عوام و خواص بجذبہ اطاعت و انابت کے ساتھ اللہ کو

پکاریں اور ہی شیرازہ کو منظم کرنے کی کوشش اور دعائیں کریں، گروہی عصبیتوں اور نفسانیت سے پاک مخلصانہ تدبیریں اپنائیں تو ہمیں پورے وثوق و اعتماد ہے کہ حق جل ۔ اللہ تو ہمارے دلوں کو جوڑ دے گا ذلت و محرومی کا ازالہ فرما دے گا اور ہمیں مضبوط قیادت و امارت پیدا کرے گا کہ دنیا و آخرت اور ملک و ملت کے تمام مسائل کتاب و سنت کے مطابق حل کرنے کی ہم سعادت پا سکیں گے وما ذلک علی اللہ بعزیز (55) اور یہ کام اللہ کے لئے ہرگز دشوار نہیں ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

38) روم 30. 32
39) مومنون 23. 53
40) حشر 59. 14
41) ابراہیم 14. 46
42) آل عمران 543
43) ہلال 9 نومبر 1912ء
44) آل عمران 3. 123
45) آل عمران 3. 120
46) آل عمران 3. 160
47) نساء 4. 141
48) انقلاب اسلام ص 15
49) خطبات آزاد ص 194
50) محمد 47. 7
51) حدیث قدسی
52) آل عمران 3. 139
53) آل عمران 3. 103
54) انفال 8. 83
55) ابراہیم 14. 20

غزل

محمد ظفر اعظمی

چاندنی سے گذر رہا تھا کیوں
اپنے سائے سے ڈر رہا تھا کیوں

وہ تھا طائر بلندیوں کا مگر
پستیوں میں اتر رہا تھا کیوں؟

وہ سہانے وقت تھا لیکن
قطرہ قطرہ مر رہا تھا کیوں؟

وہ زباں رکھ کے بھی ظفر صاحب
شکوہ آنکھوں سے کر رہا تھا کیوں؟

کتاب نسب قریش
ایک تعارف

ڈاکٹر احسان النص
استاذ کلیۃ الآداب، دمشق

اس بلند پایہ کتاب کے مصنف ابو عبد اللہ المصعب بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن الزبیر ہیں۔ آپ ۱۵۶ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور یہیں متعدد اہل کمال سے آپ نے علم حاصل کیا آپ کے اساتذہ میں امام مالک بن انس خاص طور سے نمایاں ہیں پھر آپ بغداد منتقل ہو گئے اور یہیں کے ہو رہے یہاں تک کہ ۲۳۶ھ میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۱۲)

امام مصعب بن زبیر ایک بلند پایہ مورخ تھے انساب عرب بالخصوص قریش کے انساب پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی۔ فصاحت میں بھی آپ بے مثال تھے متعدد علماء اور مورخین کو علم انساب میں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا جن میں امام طبری، بلاذری اور ابن عبد البر قابل ذکر ہیں لیکن علم انساب میں آپ کے مشہور ترین شاگرد آپ کے بھتیجے زبیر بن ابو بکر متوفی ۲۵۶ھ تھے جنہوں نے اپنی کتاب "جمہرۃ انساب قریش واخبارہا" میں اپنا نام "زبیر بن بکار" لکھا ہے اور اسی نام سے مشہور ہوئے اس کتاب میں وہ اپنے عم محترم کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

میرے چچا علم و شرف قدر و منزلت اور زبان و بیان کے لحاظ سے قریش کے عظیم ترین فرد تھے (تاریخ بغداد ۱۳/۱۱۲)

ایک مرتبہ یحییٰ بن معین کی مجلس میں کسی نے کہا کہ مصعب نے علم نسب واقدی سے حاصل کیا تھا تو انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ زبیری یعنی مصعب بن زبیر علم انساب کے بہت بڑے ماہر تھے " حوالہ سابق "

اس فن پر آپ کی شاہکار تصنیف "کتاب نسب قریش" ہے جو ہمارے اس مقالے کا موضوع ہے اسکے علاوہ ابن ندیم نے آپ کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "کتاب النسب الکبیر" ہے۔ امام مصعب جہاں علم نسب کے بہت بڑے عالم تھے وہیں آپ کا شمار حدیث کے ثقہ راویوں میں بھی ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو الحسن دار قطنی اور دوسرے ائمہ حدیث نے آپ کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ آپ بغداد میں امام مالک بن انس، ضحاک بن عثمان اور عبد العزیز دراوردی کے واسطے سے حدیثیں بیان کرتے تھے ——— اور آپ سے حدیثیں روایت کرنے میں احمد بن ابو خیثمہ، ابراہیم حربی، صالح ابو القاسم البغوی اور یحییٰ بن معین جیسے زبردست محدثین شامل ہیں۔

امام مصعب شعر و ادب کے بھی شہسوار تھے۔ ادبی تنقید نگاری میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ ابو الفرج اصفہانی نے آپ کا ایک طویل مرثیہ نقل کیا ہے جو آپ نے مشہور محدث ابراہیم بن اسحاق کی وفات پر کہا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اتدری لمن تبکی العیون الذوارف   ویبهل منها واکف ثم واکف

جانتے ہو پر نم آنکھیں کس کیلئے رو رہی ہیں اور کس کیلئے آنسوؤں کا سیلاب امڈا چلا آرہا ہے۔ (الاغانی ج ۵ ص ۲۳۲)

اسی طرح ابو الفرج اصفہانی نے انکے تنقیدی نظریات کے کچھ پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جن سے امام موصوف کے اعلیٰ ادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے ابو الفرج نے اپنی کتاب "الاغانی" میں "عمر بن ربیعہ" کے اشعار پر آپ کی تنقید کو پورا پورا نقل کیا ہے جسمیں انھوں نے شاعر کے کلام کے تمام گوشوں پر ایسی محققانہ بحث کی ہے جس کی نظیر دوسرے نقادوں کے یہاں نہیں ملتی۔ اسی طرح اپنی دقت نظر کے باعث ابو العتاہیہ کو انکے زہد پر کہے ہوئے اشعار کی روشنی میں سب سے بڑا شاعر قرار دیا۔ (الاغانی ج ۴ ص ۳)

"کتاب نسب قریش" میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قریش کے نسب سے بحث کی گئی ہے اور اسکی تالیف کا ایک محرک تو یہ ہے کہ قریش تمام قبائل عرب میں سب سے معزز قبیلہ تھا کیونکہ ذات رسالت کا تعلق اسی قبیلے سے تھا اور دوسرا محرک یہ ہے کہ خود مصنف اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ کتاب کسی تمہید کے بغیر معد بن عدنان کے نسب سے شروع ہو جاتی ہے اور اس کا جو علمی سفر ہمارے پاس ہے اس کی ابتدا روایت کی سند سے اس طرح ہوتی ہے۔

"اخبرنا محمد بن معاویہ عن ابراهیم بن موسیٰ بن جمیل عن ابی خیثمہ عن المصعب الزبیری"

جو نسخہ ہمیں دستیاب ہے اس کے پہلے راوی ابو بکر محمد بن معاویہ اندلسی ہیں جو ابن احمر کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا سلسلہ نسب خلیفہ ہشام بن عبد الملک تک پہنچتا ہے یہ اندلس سے مصر آگئے اور مشرق (مصر) میں تقریباً چالیس سال مقیم رہے پھر اندلس واپس ہوئے۔ اور سنہ ۳۵۸ھ میں قرطبہ میں حکم ثانی مستنصر باللہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اس کے دوسرے راوی ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن جمیل ہیں۔ جو اندلس میں بنی امیہ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کا اصل وطن کورۂ تدمیر (مرسیہ) تھا پھر یہ مصر آگئے اور ابن ابی خیثمہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور قاہرہ میں سکونت پذیر ہوگئے جہاں سنہ ۳۰۰ھ میں وفات پائی اور مصر ہی میں ابن احمر نے ان سے کتاب نسب قریش کا درس لیا۔

اس کتاب کے تیسرے راوی ابو بکر احمد بن ابو خیثمہ زہیر بن حرب نسائی ہیں جو مصعب زبیری کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں یہ اپنے وقت کے بڑے فقیہ، محدث اور مورخ تھے انھوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں جنمیں "کتاب التاریخ" نے سب سے زیادہ شہرت پائی انھوں نے سنہ ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔

اس کتاب کے ۱۱ اجزاء ہیں لیکن حجم کے اعتبار سے ان اجزاء میں کافی فرق پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مصنف اس کتاب کو اپنے تلامذہ کے سامنے پڑھتے پڑھتے جہاں رک جاتے وہاں تک ایک جزء قرار دیدیا جاتا اور کبھی کبھی تو قریش کے کسی خاندان کا نسب بیان کرنے کے دوران ہی ٹھہر جاتے اور وہیں پر وہ جزء مکمل ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے اجزاء کی تقسیم مصنف نے اس طرح نہیں کی ہے کہ ہر ہر جزء قریش کے الگ الگ قبیلے کے ساتھ مخصوص ہو۔

اس کتاب کا ہر جزء ایک ہی سلسلۂ سند سے شروع ہوتا ہے اور وہ ہے محمد بن معاویہ بواسطہ ابن جمیل بواسطہ ابن ابی خیثمہ بواسطہ مصعب۔ کبھی ابن خیثمہ پڑھتے اور کبھی مصعب کتاب کا کچھ حصہ پڑھتے پھر اسی کو ابن ابی خیثمہ پڑھتے۔

اس کتاب میں مصنف نے وہی انداز اختیار کیا ہے جو انکے ہمعصر ابن ہشام کلبی نے اپنی کتاب "جمہرۃ النسب" میں اپنایا ہے یعنی پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی حیثیت اصل اور مورث اعلیٰ کی ہے پھر انکی اولادوں کا ذکر کیا ہے۔

یہ کتاب امام زہری کے واسطے سے معد بن عدنان کے نسب سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد نزار اور قضاعہ کا ذکر ہوتا ہے جو لوگ معد کے بیٹے تھے۔ پھر فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ تک معد کی اولاد کا ذکر ہے اور فہر ہی کو قریش بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی اولاد کے علاوہ پر قریش کا اطلاق نہیں ہوتا پھر مصنف نے قریش کے ہر ہر خاندان کا نسب تفصیل سے بیان کیا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے پیش نظر پہلے آپ کے خاندان یعنی عبد اللہ بن عبد المطلب کی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ پھر عباس بن عبد المطلب پھر علی بن ابی طالب کی اولادوں کا پھر قریش کے سارے خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔

بہرحال مجموعی مصنف نے اس کتاب میں قبائل عرب کے تعلق سے جو کچھ

لکھا ہے وہ بہت متوازن ہے۔ البتہ خاندان رسالت، بنو امیہ اور بنو عباس کے
انساب پر انہوں نے قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ تاہم آل زبیر کے نسب پر ان کا
انداز بیان تفصیلی نہیں ہے باوجود اس کے کہ ان کا نسبی تعلق اسی خاندان سے تھا۔ اس
کے برخلاف ان کے بھتیجے زبیر بن بکار نے اپنی کتاب "نسب قریش" میں آل زبیر
کے نسب پر بہت زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس کتاب کی امتیازی
خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں اختصار کے ساتھ انساب قریش کو جامع
انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ کوئی بھی گوشہ انہوں نے تشنہ نہیں چھوڑا اور
انساب کے علاوہ اشعار اور تاریخی واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔

یہ کتاب اس پہلو سے بڑی ہی قابل قدر ہے کہ نسب قریش پر تالیف
ہونے والی تمام کتابوں سے افضل ہے اس کے مطالعے سے قریش کے حالات
اور نسب کے متعلق مصنف کے وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ مصنف نے
کہیں انساب اور حالات کا ذکر راویوں کے حوالے سے کیا ہے اور کہیں
براہ راست بغیر راویوں کے حوالے کے جس سے ان کی قوت یادداشت اور
نسب قریش پر گہری نظر کا پتہ چلتا ہے ان کے ہمعصر ابن کلبی کی نظر گو کہ انساب عرب
پر بہت گہری تھی لیکن نسب قریش سے متعلق ان کا علم ابن کلبی کے علم سے
بہت زیادہ وسیع تھا۔

مولف نے اپنی کتاب میں جن لوگوں کے حوالے سے انساب اور تاریخی
واقعات نقل کیا ہے۔ ان میں امام زہری کا نام قابل ذکر ہے لیکن چونکہ مولف
کی پیدائش امام زہری کی وفات کے بعد ہوئی ہے اس لئے قرین قیاس یہ ہے
مولف نے یہ کتاب محض اپنی یادداشت کی بنیاد پر نہیں لکھی ہے بلکہ جابجا علم انساب
پر لکھی ہوئی بعض کتابوں کی طرف رجوع کیا ہے اور نسب قریش پر امام زہری کی بھی
ایک کتاب ہے جس سے بہت سی باتیں انہوں نے اپنے راویوں کی طرف منسوب

کر کے لکھی ہیں۔ جن میں ہشام بن عروہ، موسیٰ بن عقبہ، مالک بن انسؓ ابوالزناد اور
ابو ہریرہؓ جیسے اساطین علم شامل ہیں۔ لیکن بہت سی باتیں ایسے لوگوں کے واسطے
سے نقل کر دی ہیں جن سے امام زہری کی سماعت ثابت نہیں ہے ایسے مواقع
پر انہوں نے اس طرح کے الفاظ استعمال کئے ہیں "مجھ سے بیان کیا گیا، یا فلاں
کے حوالے سے یہ بات بیان کی جاتی ہے۔

جن لوگوں سے مصنف نے براہ راست استفادہ کیا ہے ان میں عبداللہ
بن محمد بن یحییٰ بن عروہ بن الزبیر اور سلیمان بن عیاش السعدی سرفہرست ہیں۔
(دیکھئے نسب قریش ص ۱۰۹ و ۴۲۷)

مصنف نے اپنی اس کتاب میں اکثر و بیشتر مقامات پر باپ کے ساتھ
ساتھ ماں کا بھی ذکر کیا ہے اور موقع بموقع اپنی تحقیق کو ثابت کرنے کے لئے
اشعار سے بھی استدلال کیا ہے اور کہیں کہیں مصنف نے عدنانی عصبیت
کے زیر اثر بعض ایسے قبائل کو عدنانی الاصل قرار دے دیا ہے جو فی الواقع عدنانی
الاصل نہیں ہیں مثال کے طور پر انہوں نے بنو قضاعہ کو بعض تاریخی واقعات اور اشعار
کی روشنی میں عدنانی الاصل ثابت کرنا چاہا ہے اور ان کی طرف منسوب بعض اشعار
پر جن سے ان کا قحطانی الاصل ہونا ثابت ہوتا ہے تبصرہ کرتے ہوئے [illegible]
عہد جاہلیت اور بعد کے ادوار میں قضاعہ کے اشعار اس حقیقت پر دلالت کرتے
ہیں کہ ان کا نسبی تعلق معد بن عدنان سے ہے نہ کہ قحطان سے۔

اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ انساب بیان کرتے ہوئے
بیچ بیچ میں مصنف نے ان سے متعلق بعض حالات و واقعات کا بھی ذکر کر دیا ہے۔
ایک فرانسیسی مستشرق لیفی پروونقال (E. LEVI PROVENCOL) نے
۱۹۵۳ء میں اس کتاب کو ایڈٹ کیا اور اسی سال یہ دارالمعارف سے شائع ہوئی
اس میں ڈاکٹر پروونقال کا مختصر مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں انہوں نے مصنف

کے حالات اور کتاب کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے دو مخطوطوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک مخطوطہ انہیں فاس[1] میں محمد علی کتانی کی لائبریری میں دستیاب ہوا تھا جو مکمل ہے اور مغربی رسم الخط میں ہے۔ اور بقول ان کے بہت زیادہ پرانا نہیں بلکہ سترھویں صدی عیسوی کے آس پاس نقل کیا گیا ہے لیکن اس میں نقل کرنے والے کا نام اور نقل کرنے کی تاریخ درج نہیں ہے۔

دوسرا نسخہ بھی مغربی رسم الخط میں ہے لیکن ناقص ہے صرف کتاب کا نصف حصہ ہی اس میں درج ہے اس کی تحریر پہلے مخطوط کی طرح خوبصورت نہیں ہے یہ مخطوطہ میڈرڈ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے محنت شاقہ برداشت کر کے متعدد مراجع کو سامنے رکھ کر جن میں سب سے اہم کتاب امام ابن درید کی "الاشتقاق" ہے اس میں مذکورہ ناموں کو درست کیا ہے اور اپنے مختصر حاشیے میں ان شخصیات کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے جن کا کتاب میں تذکرہ ہے اور دونوں مخطوطوں میں پائی جانے والی بعض غلطیوں کی اصلاح کی ہے اور کہیں کہیں اس میں مذکور اشعار کے روایتوں کے سلسلے میں پائے جانے والے اختلافات کی نشان دہی کی ہے۔

بقیہ: مصرف چرم قربانی۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

"چرم ہائے قربانی کی قیمت فروخت کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے

میں نے اپنی حد تک اس مسئلے میں بہت غور و تامل کیا ہے کہ استنباط کا ماخذ کتاب و سنت میں پایا جو ممکن ہے اور حنفی فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ شاید اس جز چیز کے حق میں کوئی استدلال مذکور ہو، مگر مجھے اب تک ایسی کوئی مضبوط دلیل نہیں مل سکی۔"

(ترجمان القرآن جولائی ١٩٦٠ء)

---

[1] مغرب (مراکش) کا ایک مشہور شہر ہے۔

امام عبدالحمید بن بادیس اور تحریک جمعیۃ علماء المسلمین

سراج احمد فلاحی

ہر زمانے اور ہر مقام پر عام طور سے قائد کوئی نمایاں انسان ہی ہوا کرتا ہے۔ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق وہ کچھ وہی صفات کا حامل ہوتا ہے۔ ایک فطری قائد کے اندر حالات کو اپنے اندر سمونے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے۔ ہر چند کہ قائد ہر چیز سے بے نیاز اور اپنے کاز کے لئے وسائل و سرمایہ کو قربان کر دینے والا ہوتا ہے بسا اوقات قائد غریب بھی ہوتا ہے مگر یہ غربت اس کے اندر تحریک کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کرنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ بسا اوقات قائد کا تعلق جاہ و اقتدار والے کسی بڑے خاندان سے ہوتا ہے تو وہ اپنی اثر و رسوخ کو تحریک کی ترقی میں لگا دیتا ہے۔ لیکن تمام ہی صورتوں میں قائد ایک مشہور و معروف انسان ہی ہوا کرتا ہے اس کا تعلق کسی گمنام یا غیر معروف خاندان سے نہیں ہوتا لوگ اس کے حسب و نسب سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔

عبدالحمید بن بادیس 5 دسمبر 1889ء کو قسطنطنیہ میں پیدا ہوئے۔ علمی اعتبار سے آپ کا خاندان نہایت اعلیٰ و ارفع تھا۔ آپ کے والد محترم حافظ قرآن تھے اور قسطنطنیہ کے سرکردہ اور با اثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی والدہ زہرہ بنت علی بن جلول کا تعلق عبدالجلیل کے خاندان سے تھا جو علم و مرتبہ اور دولت و ثروت کے معاملے میں قسطنطنیہ میں مشہور تھا۔

انیس سال کی عمر میں عبدالحمید بن بادیس تونس کی الجامعۃ الزیتونہ میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ نے درسیات کے سلسلے کو جاری رکھا اور چار سال کے بعد امتیازی حیثیت سے عالمیت کی ڈگری حاصل کر کے وہاں کے اساتذہ اور اہل زیتونہ کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور وہیں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ آپ کے تمام اساتذہ آپ کی ذہانت، ذکاوت، علمی وسعت، بلند اخلاق اور استقامت سے متاثر ہوئے اور آپ کے بارے میں پیشن گوئی کی کہ آگے چل کر یہ طالب علم کوئی عظیم کارنامہ انجام دے گا۔ انہوں نے علم سرکاری نوکریوں و جاہ و حشمت کے لئے نہیں حاصل کیا بلکہ علم برائے عرفان ذات اور تہذیب نفس حاصل کیا۔

آپ ایک نئے انداز کے مربی، دین کے امام، مجتہد، صحافت کے میدان میں مجاہد، مصلح اور سیاسی مفکر تھے تفسیر کے میدان میں بھی آپ کا ایک مقام تھا۔ مختلف حالات و اسباب نے مل کر عبدالحمید بن بادیس کو ایک مکمل قائد بنادیا، اعلیٰ حسب و نسب والے خاندان میں پیدا ہوئے، موزوں سیاسی و علمی ماحول ملا، کبار اساتذہ نے آپ کی تربیت کی، مختلف ممالک کا دورہ کیا، عظیم علمی و تحریکی شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔

امام عبدالحمید بن بادیس کی ذات کو جس چیز نے سب سے زیادہ پرکشش بنایا وہ آپ کی شخصیت کی گوناگونی تھی، آپ بیک وقت مختلف میدانوں کے ماہر کھلاڑی تھے۔ جامعہ اخضر میں آپ تدریسی خدمات انجام دیتے، مجلہ "الشہاب" کی ادارت و کتابت کا کام کرتے، راتوں کو دینی اجتماعی موضوعات پر خطبہ دیتے، جمعیہ العلماء کے معاملات کو دیکھتے، مختلف علاقوں کے دورہ کرکے عوام سے ملاقات کرتے اور مسائل جاننے کی کوشش کرتے، جزائر کے دور دراز حلقوں کا بھی دورہ کرتے۔ الغرض آپ کا علم و ادراک میں لاثانی ہونے کے باوجود سرتاپا روحانیت میں غرق ہو جانے شیر دلے سے کم نہیں۔

1913ء میں ابن بادیس مشرقی جزائر میں واقع اپنے شہر قسطنطنیہ واپس ہوئے، اور شہر کی جامع مسجد میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ دوران تدریس عوام کی مشکلات و پریشانیوں کو قریب سے جاننے کا موقع ملا چنانچہ انھوں نے محسوس کیا کہ قوم کے مسائل اور ان کے مستقل حل کے وسائل و ذرائع پر غور کرنے کے لئے سکون اور وقت کی ضرورت ہے۔ کافی غور و خوض کے بعد آپ بیت اللہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ مدینہ میں ان کی ملاقات حمدان لونیسی سے ہوئی انھوں نے آپ کو جزائر چھوڑ کر بیت اللہ الحرام میں قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسری طرف آپ کی ملاقات شیخ حسین احمد ہندی سے ہوئی جنھوں نے تمام احوال و کوائف کے جاننے کے بعد جزائر لوٹ جانے کا مشورہ دیا تاکہ آپ اپنے علم و عمل کے ذریعہ اپنی قوم کے مسائل کو حل کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ دونوں خیالات کے بیچ تردد کا شکار رہے۔ بالآخر آپ نے شیخ ہندی کی حکیمانہ نصیحت کو قبول کیا اور جزائر لوٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ آپ کے ساتھ جزائر کے مشہور عالم، انشاء پرداز اور ادیب شیخ محمد بشیر ابراہیمی تھے جو کہ مدینہ میں قیام پذیر تھے۔ عزائم بلند تھے، قوم کی فلاح و بہبود کا خواب دیکھتے۔ قوم کی پریشانیوں کو اپنی پریشانی گنتے۔ حجاز سے اپنے وطن واپس ہوئے۔ وطن واپس آنے کے بعد اپنی جد و جہد تیز کردی اس کے بعد آپ مختلف ممالک جن میں شام، لبنان، مصر وغیرہ کا دورہ کیا۔ وہاں کے علماء، ادباء، مفکرین اور تحریکی ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔ ان تجربات کی روشنی میں جب آپ نے اپنے ملک کا جائزہ لیا تو آپ نے محسوس کیا کہ جزائری قوم کی پستی کا اہم سبب فکری کمزوری ہے، اسلامی فکر پر فرانسیسی سامراجیوں کی فکر کا غلبہ ہے اس لئے آپ نے اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت میں پیش کرنے کی کوشش کی، اسلامی افکار و نظریات اور کتابوں نیز درس و تدریس کے ذریعہ مطلوبہ اسلامی انقلاب کے لئے فکری غذا فراہم کی، اسلام کا تعارف

خالصہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیش کیا جو کہ ہر خرافات و بدعات کے منافی تھا۔

جزائر۔ ابن بادیس کے عہد میں

کوئی بھی ملک یا قوم خواہ کتنی ہی ترقی یافتہ اور مہذب کیوں نہ ہو اس میں کچھ نہ کچھ امراض اور عیوب ضرور ہوتے ہیں جو اس کے بظاہر صحت مند معاشرہ کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ امراض رسم و رواج کے گھنونے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اخلاق و قوانین کے فساد سے، کبھی ظالم حکمرانوں کے بے اندازہ جور و ستم سے اور کبھی مذہبی اجارہ داری کی بے پناہ حرص و طمع سے، کبھی اصحاب قلم کی عدم فرض شناسی سے اور کبھی خود عوام کی اپنی پست ہمتی اور بزدلی سے اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ ابن بادیس کا عہد ان سب امراض میں بری طرح مبتلا تھا۔ اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ اسی بیمار عہد میں جنم لینے کے باوجود ابن بادیس اس کے کسی مرض سے متاثر نہیں تھا۔

انیسویں صدی میں خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد عالم اسلام پر سامراجی قوتوں نے اپنا غلبہ مکمل کرلیا تھا، یہودی افکار و نظریات نے مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنالیا تھا مسلم نوجوان مغربی تہذیب و تمدن کی چمک دمک میں گم ہوکر اپنے حقیقی مشن کو بھول گئے۔ ہر چند کہ نئی نسل، سیاسی، معاشی، معاشرتی تہذیب اور دینی زوال کے سبب دینی شعائر اور اسلامی تہذیب و تمدن سے کوسوں دور ہو چکی تھی۔ فکری زوال نے مزید امت کو پارہ پارہ کردیا۔ رنگ و نسل اور قومیت کے مسائل نے مضبوط اسلامی وحدت کو انتشار کی کیفیت میں مبتلا کردیا۔

یہی وہ حالات تھے کہ جب فرانسیسی سامراجیوں نے (1830ء) [illegible] ان کی سب سے [illegible] کوشش [illegible] یورپ کو بالعموم جزائر کی طرف ہجرت کرنے پر ابھارا [illegible] میں تقریر کرتے ہوئے زور دیا کہ ....

"فرانسیسیوں اور اہل یورپ کی جزائر کی طرف ہجرت ناگزیر ہے، کسانوں اور کاشتکاروں کو بھی اپنی معاشی حالت سدھارنے اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی غرض سے جزائر کی طرف کوچ کرنا ہوگا، جہاں تک جزائری باشندوں کا سوال ہے تو ہم ایسا مضبوط لائحہ عمل تیار کریں جس سے وہ اپنے شہروں کو چھوڑ کر بادیہ نشینی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔"

اس قسم کی منصوبہ بندی کے نتیجے میں یورپی باشندوں کو جزائر کی زرخیز زمینوں کی ملکیت حاصل ہوگئی، وہاں کے اصلی سرکاری حصے سے محروم کیے گئے۔ بالآخر جزائری باشندے اپنے ہی ملک میں اجنبی ہوگئے۔

جزائری باشندوں کا پیمانہ صبر بھی چھلک اٹھا اور ان میں اس بدحالی سے نجات کا احساس کروٹیں لینے لگا۔ بالآخر پوری جزائری امت اس سامراجی استحصال کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہی جزائری باشندے جو غربت و افلاس سے نجات حاصل کرنے کیلئے فرانس گئے تھے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ فرانسیسی سامراجیوں کی جزائر پر سیاسی بالادستی کوئی آسان کام نہ تھی۔ ہر روز کسی نہ کسی علاقے میں بالواسطہ یا بلا واسطہ جنگوں اور حالتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ جزائر کے قبائلی باشندوں سے سخت معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ یہ جنگیں کبھی انفرادی تو کبھی اجتماعی لڑی جاتیں۔

1871 سے 1914 تک زمانے کو جزائر میں فرانسیسی سامراج کے سنہرے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جزائر میں فرانس نے روز اول سے ہی اپنی سیاست کو چند بنیادوں پر قائم کیا۔ عوام کو غریب و نادار بنانا، عوام کو علم کی روشنی سے دور رکھنا، لوگوں کو عیسائی بنانا، فرانسیسی کاز کی حفاظت کرنا جہاں تک عوام کو غریب و نادار بنانا اور علم کی روشنی سے انہیں دور رکھنے کا سوال ہے تو اس کام پر غاصب سامراجی فوجی مامور تھے۔ لوگوں کو عیسائی بنانا اور فرانسیسی کاز کی حفاظت کی ذمہ داری عیسائی مشنریوں نے سنبھالی اور حقیقت یہ ہے کہ ان غاصب فوجیوں سے بھی زیادہ زہریلے سانپ تھے جو عوام کو غریب و نادار و محتاج اور انہیں علم کی روشنی سے دور رکھنے کی ذمہ داری نبھا کر رہے تھے۔ ان عیسائی مشنریوں کے پاس غلہ کپڑا اور دواؤں کا اسٹاک ہوتا جن کا استعمال عیسائیت قبول کرنے والوں پر کیا جاتا۔

غرض کہ چاروں طرف ظلم و زیادتی کا دور دورہ تھا جبر و استحصال پر مبنی سیاست کا ملک کے طول و عرض میں بول بالا تھا۔ لوگ تلاش معاش کے لئے ملک چھوڑنے پر مجبور تھے۔ اسلامی فکر اور عربی ثقافت و کلچر کی اشاعت کرنے والے تقریباً تمام مراکز بند کروادیے گئے تھے۔ یہ صورتحال جنگ عظیم اول تک رہی اس کے بعد فرانسیسی لشکر سے کچھ تربیت یافتہ جزائری سپاہیوں نے اپنے وطن کا رخ کیا اور جزائر میں سیاسی بیداری کی ایک روشن تاریخ رقم کی۔ پھر اس کے بعد جزائری قوم رفتہ رفتہ اوج ثریا تک پہونچتی رہی۔

اس سیاسی بیداری سے جو پہلی تحریک وجود میں آئی وہ امیر خالد کی تحریک "تحریک اتحاد مسلم نمائندگان" تھی۔ تحریک کے بانی امیر خالد بن ہاشمی حاجی کبیر بن امیر عبدالقادر جزائری تھے تحریک کا مقصد ملکی انتخابات میں جزائری مسلمانوں کو برابر کا حق دلانا تھا تاکہ اس کے ذریعہ قوانین میں امتیازی سلوک کیا جانے، سرکاری نوکریوں و تعلیمی اداروں میں ان کو یکساں مواقع دیئے جائیں۔ صحافت کی آزادی ہو۔ تحریک کا

اپنا ایک ترجمان "الاقدام" کے نام سے نکالا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ تحریک کے اس مختصر تعارف سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر خالد نے اپنی پوری زندگی کو جزائری مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور تعلیمی حقوق کی جنگ کے لئے وقف کیے رکھا۔

1925ء میں جناب حاجی سید احمد مصالی نے "جمعیہ نجم شمال افریقہ" نامی تحریک کا سنگ بنیاد رکھا۔ تحریک کا بنیادی مقصد مغرب کے تین عرب ممالک (جزائر، مغرب، تونس) کو آزاد کرانا تھا، تحریک نے بالخصوص جزائری مسئلے اور بالعموم تونس و مغرب کے مسئلہ کو ابھارا۔ یہ تحریک پوری جوانمردی و بے جگری کے ساتھ فرانسیسی سامراجیوں کے خلاف برسر جنگ رہی بالآخر 1937ء میں فرانسیسی فوج اس کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

جمعیہ نجم شمال افریقہ کی ناکامی کے بعد بھی سید احمد مصالی نے اپنی جد و جہد کا سلسلہ جاری رکھا اس سلسلے کی ایک کڑی 11 / مارچ 1930ء کو "جزائری عوامی لیگ" کی داغ بیل ہے۔ تحریک کے اغراض و مقاصد سابقہ تحریک کے ہو بہو تھے۔

1930ء میں ڈاکٹر محمد بن جلول اور پروفیسر فرحات عباس وغیرہ نے "تحریک منتخب مسلم نمائندگان" کی تاسیس رکھی۔ تحریک نے فرانسیسی کے ساتھ سیاسی اتحاد و تعاون کی تجویز رکھی مگر اس کے لئے شرط یہ تھی کہ نظم و انصرام، قانون سازی و دیگر حقوق و عہدوں میں جزائری و فرانسیسی افراد کو برابر کی نمائندگی دی جائے حقیقت یہ ہے کہ جزائری قوم نے ہر بار اس طرح کی تحریکوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جنہوں نے فرانسیسی سامراجیوں کے ساتھ اتحاد و تعاون و میل میل کی بات کی۔ چنانچہ یہ تحریک حالات کی نذر ہوگئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جزائر میں جو مسلم سیاسی تحریکیں و تنظیمیں و جمعیتیں رونما ہوئیں وہ در اصل وقتی و جزئی حیثیت کی حامل تھیں نہ ان کے پاس منضبط لائحہ عمل تھا اور نہ منضبط اغراض و مقاصد تھے۔ ان کے اغراض و مقاصد محدود تھے۔ چنانچہ یہ تحریکیں ابھریں اور حالات کی نذر ہوتی گئیں۔ "جزائری عوام لیگ" جس نے مکمل آزادی و اصلاح کا مطالبہ کیا وہ صرف فرانس تک ہی محدود رہی۔ "تحریک منتخب مسلم نمائندگان" جو کہ فرانسیسی سامراجیوں کے ساتھ میل میل و تعاون و اتحاد کی بات کر رہی تھی وہ بھی عوام کی بدظنی کا شکار ہوگئی۔ بالآخر وہ بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔

جمعیہ علماء المسلمین

حجاز سے لوٹنے کے بعد ابن بادیس نے مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ وہاں کے علماء، ادباء، مفکرین اور تحریکی ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔ ان تجربات کی روشنی میں ابن بادیس نے اپنے ملک کے لئے ایک منضبط

لائحہ عمل تیار کیا۔ آپ نے تعلیم و تربیت کو عروج کی کنجی جانا اور اس سلسلے میں آپ نے جزائر کے مختلف بڑے شہروں میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑے پیمانے پر مدارس کھولے، طلبہ کے اندر اسلامی شعور پیدا کیا، اسلامی طرز فکر پر ان کی کردار سازی و تربیت کی۔ آپ بہت جلد لوگوں کے دل کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ نے عوام کے اندر حرکت و بیداری پیدا کی اور عوام کا جمود توڑا۔ بالآخر چند ہی دنوں کی محنت کے بعد آپ نے جمعیہ علماء المسلمین نام کی ایک تنظیم بنائی۔

جزائر میں فرانسیسی سامراج کے سو سال پورے ہونے پر جشن صد سالہ منایا جا رہا تھا جس میں فرانس اپنی انتہا پسندانہ سامراجیت و شیطانیت کا بھرپور مظاہرہ کیا اس نے اسلام دشمن اور عیسائیت نواز پالیسی کا کھل کر اظہار کیا، چنانچہ اس کے بعد ابن بادیس نے ملت کے رہنماؤں کو جمع کیا اور 5/ مئی 1931ء کو باقاعدہ "جمعیہ علماء المسلمین" کے نام سے تحریک شروع کر دی اور بالاتفاق عبدالحمید بن بادیس اس کے صدر منتخب کئے گئے۔

تحریک نے اپنے ایک آرگن کا اجرا کیا جس کا نام "البصائر" رکھا، جس کے ذریعہ تحریک اپنے اغراض و مقاصد کو واضح کرتی اور اس کے ذریعہ اپنی دعوت و فکر کو پھیلاتی جس کے ایڈیٹر بشیر ابراہیمی تھے، جو کہ آپ کے ساتھ مدینہ سے جزائر واپس آئے تھے۔

اغراض و مقاصد

تحریک کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں جو اہم باتیں آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ لوگوں کے عقائد درست کرنا، اسلامی حقائق سے واقف کرانا نیز اسلامی تہذیب و ثقافت کو زندہ کرنا۔

مساجد و اوقاف مسلمانوں کے سپرد کرانا

• چونکہ فرانس نے جزائر کے قدرتی معدنیات اور اسلامی اوقاف و مساجد اور آثار پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وجہ سے تحریک نے اپنے مقاصد میں اسس کام کو رکھا۔

لوگ عربی زبان و ادب کو منبع تعلیم و تربیت بنائیں اور اس کو پھیلائیں اس سلسلے میں عربی زبان میں درس و تدریس و تعلیم و تربیت کی آزادی ہو۔

• 24/ دسمبر 1904ء کو فرانس نے ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے کسی مسلم استاد کو عربی زبان میں درس و تدریس کی خدمت انجام دینے یا عربی مدرسے کا کوئی اسکول کھولنے کی اجازت نہ تھی۔ ایسا کرنے کے لئے گورنر جنرل یا فوجی حاکم سے اجازت ضروری تھی۔ اور اجازت صرف حفظ قرآن کے لئے دی جاتی۔ عربی میں تفسیر بیان کرنے یا حدیث کا درس دینے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی وہاں کے کسی بھی اسکول میں جزائر کی تاریخ، تاریخ اسلام اور تاریخ عرب پڑھانا ممنوع تھا۔ اسی طرح جزائر اور دیگر عرب ممالک کا جغرافیہ بھی اسکولوں میں نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ انہی وجوہات اور ایکٹ کی بنیاد پر تحریک کے اغراض و مقاصد میں عربی زبان و ادب

میں درس و تدریس و تعلیم و تربیت کی آزادی کو شامل کیا گیا۔

اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے جزائری قومیت کے تشخص کا دفاع کرنا۔ اور سلف صالحین کی روشن تاریخ سے مسلمانوں خصوصاً نئی نسل کو آگاہ کرانا۔ عربی زبان و ادب اور تاریخ اسلام کو فروغ دینا اور ساتھ ہی دینی حقائق، انبیاء و صحابہ کی سیرت، دینی و دنیوی دونوں معاملات میں تمام مسلمانوں کے درمیان انصاف و اتحاد پیدا کرنا۔ تمام مسلمانوں کے درمیان اخوت و محبت کی فضا کو پروان چڑھانا۔

تحریک نے اپنے دستور میں اس امر کی وضاحت کر دی کہ وہ ہر طرح کے سیاسی مباحث سے دور رہے گی۔ اور اس سلسلے میں کسی کے درمیان مداخلت بھی نہیں کرے گی۔

اس مختصر سے تعارف سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحریک نے خصوصاً ابن بادیس نے بہت جلد عوام کے دل جیت لیے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عوام نے جمعیت العلماء ہی کو اپنی تمناؤں اور آرزوں کا مرکز اور ان کے مسائل و مشکلات کا حقیقی ترجمان بنا لیا۔

وفات

اگر میں اس راہ میں شہید ہو گیا پھر بھی میری آواز جزائر کو زندہ و تابندہ رکھے گی۔ یہ آپ کی برپا کی ہوئی دعوت ہی کی بازگشت تھی کہ نومبر 1954ء میں امام بادیس کی تربیت کردہ نئی نسل کے ہاتھوں جزائر میں انقلاب کی شروعات ہوئی۔ بالآخر ان لوگوں نے اللہ کی مدد سے اپنے وطن عزیز جزائر کو سامراجیوں سے آزاد کرا لیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اب بھی جزائر میں آپ کی برپا کی ہوئی دعوت کی ہی بازگشت سے اسلام کے نام لیوا زندہ اور تابندہ ہیں۔ اور غلبہ اسلام کے لئے کوشاں ہیں اور انہی لوگوں نے ظالموں کے ناکو چنے چبوا دیئے ہیں۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر گزارے۔ شدت مرض بڑھتا گیا بالآخر شدت مرض کی تاب نہ لا کر 16/ اپریل 1940ء کی وہ شب تھی جس شب کو جزائر کی تحریک اسلامی کے قائد و مربی ابن بادیس اس دنیا فانی سے جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

اللہ تعالیٰ ابن بادیس کی مغفرت کرے۔ آپ نے سرزمین جزائر میں اسلامی خطوط پر چلتے ہوئے آزادی حاصل کرنے کی راہیں ہموار کیں۔ آپ کو اللہ جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے آمین۔

دوسری قسط

مصرف چرم قربانی

شاہد بدر فلاحی علیگ
منچوبھا نگر سیٹھ، اعظم گڑھ

مصارف چرم قربانی اور مصارف زکوٰۃ یکساں ہیں

چرم قربانی کو بعینہٖ مد زکوٰۃ میں شامل کرنے کی وجہ فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ چرم فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہو جاتا ہے اور صدقہ واجبہ زکوٰۃ کے مثل ہے ــــ دو فتاوی ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

"چرم قربانی کا پیسہ واجب التصدق ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کے حکم میں ہے بس جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں وہی چرم قربانی کے پیسوں کے بھی مصارف ہونگے۔"

(دارالافتاء، الجامعۃ الاسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس)

"زکوٰۃ کے جو مصارف ہیں وہی چرم قربانی کے بھی مصارف ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں چرم قربانی کی رقم کا استعمال شرعاً درست نہیں ہے۔ بلکہ فقراء و مساکین اور مدارس پر صرف کی جائے۔"

(دارالافتاء، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

آئیے دونوں کے مصارف پر غور کریں۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جب صاحب نصاب نے زکوٰۃ نکال دی تو مال زکوٰۃ سے اب وہ اپنے بیٹے کے لئے ایک ٹافی نہیں لے سکتا ہے چہ جائیکہ وہ خود اس مال زکوٰۃ کو اپنی ذات پر خرچ کرے یا بعینہٖ زکوٰۃ میں نکالی ہوئی چیز سے خود استفادہ کرے ــــ اس کے برعکس قربانی کرنے والا خود استعمال کر سکتا ہے اس کو فروخت کر کے اپنے استعمال کے لئے چیز بھی خرید سکتا ہے ــــ اس کھال کو بعینہٖ کسی غنی یا فقیر کو بھی دے سکتا ہے حتیٰ کہ غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے جب کہ مال زکوٰۃ کے سلسلے میں ایسا کہیں مذکور نہیں ہے

اور کسی فقیہ نے بھی یہ بات نہیں کہی ہے۔

"زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ کی چیز کو استعمال نہیں کر سکتا جب کہ قربانی کرنے والا قربانی کے گوشت کو کھاتا ہے۔ کھلاتا ہے۔ گوشت کھانا اور لمبے عرصے کے لئے گوشت بچا رکھنا معیوب نہیں۔ قربانی کے گوشت و چمڑے کو فروخت کر کے گھر کا سامان خریدا جا سکتا ہے جیسا کہ "مبسوط سرخسی جلد ۱۲" میں ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں کہ قربانی کرنے والا قربانی کی کھال سے گھر کا سامان خریدے"

ان احکام کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ چرم قربانی کے مصرف اور زکوٰۃ کے مصرف میں کوئی مماثلت بھی ہے۔ دونوں کی یکسانی تو دور کی بات ہے فقہ حنفی کی کتابوں میں تو یہ بات ملتی ہے کہ چرم قربانی کو دو پیسے کے عوض بیچ کر خود اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے اس کو صدقہ کر دینا واجب ہے۔ لیکن اس کے بارے میں یہ کہنا کہ جو مصرف زکوٰۃ کا ہے وہی چرم قربانی کا بھی ہے درست نہیں ہے۔

جو فقہ قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں وہ احکامات دیتی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ وہی فقہ کھال کی قیمت کو زکوٰۃ کے مثل کس طرح قرار دے سکتی ہے

"ہر وہ رقم جس کا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اپنے مصارف و شرائط کے لحاظ سے زکوٰۃ نہیں بن سکتی ــــ فرض کیجئے کوئی مسلمان اپنے روپیہ بینک میں رکھے اور سود کی رقم بھی برآمد کرے تو اس رقم کو خود استعمال کرنا حرام اور صدقہ کرنا واجب ہے تو کیا[1] یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس رقم کے وہی مصارف ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ کسی واجب التصدق رقم کے مصارف کو مصارف زکوٰۃ کے مثل قرار دینے کیلئے مضبوط دلیل کی ضرورت ہے اور مسئلہ زیر بحث میں ایسی کوئی مضبوط دلیل موجود نہیں ہے" (زندگی نو مئی ۱۹۶۶ء جلد ۳۶ شمارہ ۵)

بقیہ ص ۳۶ پر

---

[1] یہاں سود کی رقم کو واجب التصدق فرض کر لیا گیا ہے حالانکہ وہ واجب البذل علی الفقراء ہے کوئی اس کو واجب التصدق اس معنی میں نہیں کہتا کہ وہ موجب اجر و ثواب ہو حالانکہ ہر واجب التصدق کا تصدق موجب اجر و ثواب ہوتا ہے۔ (مدیر)

شبِ قدر

عزیز بھگروی

گوشہ گوشہ سے یہ آتی ہے صدا آج کی رات
ہے کوئی طالبِ انعام و عطا آج کی رات

اٹھنے پائے بھی نہ تھے دستِ گدایانِ طلب
سرخرو ہو کے پلٹ آئی دعا آج کی رات

رشک کرتا ہے شبِ قدر کی تقدیر پہ دن
سر بہ سجدہ ہے سیاہی کو ضیا آج کی رات

لکھے جاتے ہیں کتابوں میں فرشتے اس کے
فیصلے اپنے سناتا ہے خدا آج کی رات

چشمِ رحمت میں نہیں کوئی بد و نیک کا فرق
عام ہیں اس کے کرم اس کی عطا آج کی رات

اس کے دینے کے ہیں قربان عنایت کے نثار
دل میں جاگا تو ہے احساسِ وفا آج کی رات

دیدۂ شوق ہیں لو ابھر لو جالے اس کے
بامِ دنیا پہ ہے وہ جلوہ نما آج کی رات

مجلسِ وعظ کہیں حمد و ثنا کے نغمے
فرش سے عرش تلک ایک صدا آج کی رات

ہوں اگر دل سے پشیمان خطاکار عزیز
بخش دیتا ہے وہ ہر جرم و خطا آج کی رات

غزل

شفیع اللہ خاں راز اٹاوی

تغیرات کی انگڑائیوں میں ڈوب گئے
تم انقلاب کی برنائیوں میں ڈوب گئے

ملے ہیں انکی تباہی کے ساحلوں پہ نقوش
سمندروں کی گہرائیوں میں جو ڈوب گئے

سمندروں کی روانی سے کھیلنے والے
سرابِ ناز کی رعنائیوں میں ڈوب گئے

اب ان کا ذکر ملے گا فقط کتابوں میں
جو اپنے عہد کی سچائیوں میں ڈوب گئے

حصارِ جسم میں انکی تلاش جاری ہے
جو اپنی روح کی گہرائیوں میں ڈوب گئے

کسی نے سوکھی ہوئی ندیاں نکالی ہیں
نہ جانے کون تھے جو کھائیوں میں ڈوب گئے

جو گمرہیوں کے نشانوں سے بچ گئے کچھ لوگ
سیاہیوں کی وہ پرچھائیوں میں ڈوب گئے

صنم کدے کے پرستار بھی ہوئے برباد
خدا پرست بھی بلوائیوں میں ڈوب گئے

نظر فریب تھا موجوں کا بانکپن اے راز
پرند جھیل کی گہرائیوں میں ڈوب گئے

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

توسیعی لیکچر

۹ر اگست ۱۹۹۶ء کو جناب ڈاکٹر حبیب اللہ [illegible] فلاحی صاحب نے ابو اللیث ہال میں "ترکی میں احیائے اسلام" کے موضوع پر ایک بیش قیمت توسیعی لیکچر دیا۔ موصوف نے سقوط خلافت کے بعد ترکی میں احیائے اسلام کے لئے ہونے والی کوششوں کا مجملاً اور حالیہ ایام میں رفاہ پارٹی کی جانب سے کی جانے والی اسلامی کوششوں کا مفصل تذکرہ کیا۔ آپ نے ترکی میں دعوت دین کی راہ میں حائل موانع و مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے رفاہ پارٹی کی کارکردگی، اس کی [illegible] کے اسباب پر اپنے دل نشین اور ایمان افروز انداز میں روشنی ڈالی کہ سامعین بے حد متاثر ہوئے۔

الوداعی پارٹی

۱۴ر اگست ۱۹۹۶ء کو اسٹاف روم میں جناب مولانا رضوان احمد صاحب فلاحی کے لئے الوداعی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ موصوف حال ہی میں ایس آئی او کے حلقہ مشرقی یوپی کے جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے ہیں۔ آپ جامعہ میں تقریباً دو سال سے استاد معید کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ صدر جامعہ جناب مولانا طاہر صاحب مدنی نے آپ کی تدریسی خدمات کو سراہتے ہوئے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ امید ہے کہ موصوف تنظیمی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد دوبارہ ادارہ علمی کو اپنی خدمات اور علمی صلاحیتوں سے فائدہ پہونچائیں گے۔

مہتمم تعلیم و تربیت کی علالت

مہتمم تعلیم و تربیت جناب مولانا عبد الحمید [illegible] صاحب اصلاحی چند ہفتوں سے [illegible]

بغرض علاج [illegible] خصوصاً [illegible] دعا فرمائیں۔

انجمن طلبۂ قدیم کی شوریٰ کا اجلاس ملتوی

جامعہ کی مجلس تعلیمی اور مجلس منتظمہ کے اجلاس کے موقعہ پر سات اگست کو شوریٰ کا اجلاس رکھا گیا تھا جو کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔ البتہ مقامی ارکان شوریٰ نے اس نشست میں چند اہم اور ناگزیر مسائل پر غور و خوض کیا لیکن شوریٰ کی نشست کو چونکہ قانون و ضابطہ کی تائید حاصل نہ تھی اس لئے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔

خوشی کی بات

ابنائے جامعہ میں سے جب بھی کسی کو علمی ترقی کے یا علمی مراکز میں کام کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں تو تمام متعلقین جامعہ کو خوشی ہوتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ برادرم محمد طارق احسن فلاحی طبیہ کالج اینڈ ہاسپٹل ناگپاڑہ ممبئی ۸ میں مستقل لیکچرار ہو گئے ہیں۔ اللہ رب العزت موصوف کو حسن و خوبی اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے کی توفیق بخشے۔

دردانگیز خبر

۱۲، ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء کی درمیانی شب میں برادرم طاہر حسین فلاحی اور عارف حسین فلاحی زیپالی کی والدہ محترمہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارہ حیات نو پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری یہ دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے ہمارے بھائیوں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

جیب کا حساب

جیب کا حساب سابق ذمہ دار سے تین رجسٹروں کی شکل میں مل گیا ہے اس سے متعلق بعض ضروری کاغذات بھی جلد ہی وہ حوالہ کر دیں گے اس طرح یہ حساب مکمل ہو جائے گا۔